



۲۶ — ۲۵

95/16

پیغام فتح اسلام

اگر مسلمان عید قربان کو جذبات ابراہیمی کی تازہ یاد قرار دیں اور ہر سال شمع رضاء الٰہی پر پروانہ وار قربان ہونے کے لیے دل و جان ظاہر و باطن سے تیار رہیں تو مالک الملک ذو الجلال والاکرام عز اسمہٗ وجل مجدہٗ ان کا پشت پناہ ہوگا۔ پھر ایسے سرفروش فدائیانِ اسلام کی جماعت جس میدان میں قدم رکھے گی خدا تعالیٰ کی حمایت کے لیے زمین و آسمان کے لشکر بھیج دے گا پھر یہ دنیا میں چالیس کروڑ نہیں (اب مسلمان تقریباً ایک ارب ہیں) چالیس سو بھی ہوں گے تو ہر میدان میں فتح و نصرت کا سہرا انہیں کے سر ہوگا۔ دنیا میں کوئی قوم ان کے مقابلہ کی تاب نہیں لاسکے گی جو قوم مقابلہ میں آئے گی منہ کی کھا کر جائے گی۔

(حضرت لاہوری قدس سرہٗ)

مرکزی نقطہ

حضرت احسان دانش

ہر مذہب و ملت کا فسوں ٹوٹ رہا ہے
بجراہ ترقی سے گُمراہ زمانہ !!
بے نور ہیں ارواح، دلوں میں ہیں اندھیرے
تنویرِ تقدس ہے ضمیروں سے روانہ
ہر سمت ہے محرومئ احساس کا افسوں
تاریک ہیں اطوار کراں بہ کرانہ!
سازوں میں ہیں تردیدِ صحائف کے ترانے
محفل میں ہے الحاد کا بے ربط فسانہ
معیار سے آگاہ مفکّر نہ مدبّر
کردار سے گفتار پہ اُترا ہے زمانہ
ہیں دولت و انصاف کی تخلیق جرائم
ملتا ہی نہیں غیرتِ قومی کو ٹھکانہ

انسان جس ایمان کے مرکز سے جدا ہے
دشوار ہے دشوار ہے اُدھر لوٹ کے آنا



۴ ذوالحجہ ۹۹ھ ۲۶ اکتوبر ۷۹ء

جلد ۲۵ ☆ شمارہ ۱۷

اس شمارے میں

رئیس الادارہ

پیر طریقت حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ

مدیر منتظم : میاں محمد اجمل قادری

مدیر : محمد سعید الرحمٰن علوی

بدل اشتراک	سالانہ ۶۰/۰ روپے ، ششماہی ۳۰/۰ روپے سہ ماہی ۱۵/۰ روپے - فی پرچہ ۱/۵۰ روپیہ

چند گذارشات

صدر پاکستان نے اپنی حالیہ تقریر میں سیاست کی بساط اُلٹ کر ملک کی سلامتی و بقا اور قوم کی خوشحالی و بہبود کی خاطر جس نئے پروگرام کا اعلان کیا ہے اس کے متعلق خود انہی کے اعلانات کی روشنی میں چند گذارشات پیش خدمت ہیں ہمیں امید ہے کہ ان پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے گا۔

۱۔ صدر محترم نے ترجیحات کے ضمن میں اسلامی نظامِ حیات کے نفاذ کا عمل تیز تر کرنے کا جو اعلان کیا ہے وہ کروڑوں پاکستانیوں کے دل کی آواز ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان کا وجود ہی اسلامی نظام حیات کا مرہونِ منت ہے ورنہ یہ خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوتا۔ اس کے لیے فی الفور یہ بات ضروری ہے کہ شرعی عدالتوں میں ان اہل علم کو شامل کیا جائے جن کا تقویٰ و طہارت اور جن کی علمی عظمت مسلّم ہو اور فوجی عدالتوں کے فیصلوں کی طرح ان کے فیصلوں کو بھی حتمی اور یقینی بنانے کے لیے یہ واضح اعلان کر دیا جائے کہ ان کے فیصلوں کے خلاف کسی بھی سطح پر اپیل نہیں ہو سکے گی۔

۲۔ نماز جو اہم ترین فرائض دینیہ میں سے ہے اور جس کا قیام اہل حکومت کی بنیادی ذمّہ داری ہے اس کا بطور خاص اہتمام کیا جائے۔ اس سے قبل دفاتر میں نماز کے لیے کچھ اقدامات کیے گئے لیکن بدقسمتی سے وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ وہ ڈھیلے پڑتے گئے اور اب یہ سلسلہ تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے۔ دفتری اوقات میں نماز کی سختی سے پابندی کرائی جائے اور سرکاری اہلکاروں کی ترقی وغیرہ میں نماز کے اہتمام کو بنیادی

اہمیت دی جائے۔ اس کے علاوہ سرکاری اور غیر سرکاری سیکٹر میں چلنے والی ٹرانسپورٹ کے عملہ کو ہدایت کی جائے کہ جہاں نماز کا وقت ہو وہاں گاڑی روک کر سب سے پہلے خود نماز کا اہتمام کریں جس سے ان شاء اللہ تمام مسافر نماز کی طرف خود بخود متوجہ ہو جائیں گے۔ اس کے ساتھ ہی ریل گاڑیوں میں نماز کے اہتمام کی طرف توجہ دی جائے اور موجودہ بلدیاتی انتخابات میں کامیاب ہونے والے امیدواروں کی تربیت کے لیے جب سیمینار منعقد کیے جائیں تو اس موقعہ پر ان سے پنجگانہ نماز باجماعت کی ادائیگی کا حلف لیا جائے اور ان سے وعدہ لیا جائے کہ وہ اپنے حلقۂ انتخاب میں اس اہم ترین عبادت کے سلسلہ میں ایک مبلغ و منّاد کا کردار ادا کریں گے۔

۔ ملک بھر کے ذرائع ابلاغ یعنی ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات و رسائل کو دینی اقدار کی تعلیم و ترویج کے لیے استعمال کیا جائے۔ یہ بات کسی طرح مناسب نہیں کہ ریڈیو۔ ٹی وی پر پروگراموں کا اکثر وقت گانوں کی نذر ہو جائے اور اخبارات فلمی اور سینماؤں کے اشتہارات سے اٹی ہوئی ہوں۔ گانوں کے ساتھ ریڈیو، ٹی وی پر ایسے پروگراموں کی کمی نہیں ہوتی جن کا عنوان تو بظاہر بہت خوب ہوتا ہے لیکن اس میں عقائد و اخلاق کے بگاڑ کا سلسلہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اولیاء کرام کے حوالہ سے شعر و شاعری، نعت و قصیدہ اور قوالی وغیرہ کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے لیکن ہمیں احساس کرنا چاہیے کہ اہل اللہ ہمیشہ سچے اور خالص دین کی ترویج میں مشغول رہے ہیں اب انہی کے ذوق کا حوالہ دے کر عقائد کے بگاڑ کی کوشش ازحد افسوسناک ہے حمد و نعت اور شعر و غزل کو پیش کرنے سے قبل اس بات کا دھیان کر لینا ضروری ہے کہ ان میں قرآن و سنت کے نقطۂ نظر سے کوئی جھول تو نہیں؟

ہماری ملک کی بڑھی اکثریت ان پڑھ ہے۔ اس ناخواندگی کے علاج کے لیے ریڈیو، ٹی وی سے بڑا کام لیا جا سکتا ہے لیکن اس کو مؤثر اور نفع مند بنانے کے لیے ضروری ہے کہ پروگرام ایسے انداز سے مرتب ہوں کہ ان سے قوم کے فکر و شعور کو جلا نصیب ہو سکے۔ اسی طرح اخبارات کو صحت مند بنیادوں پر کام کرنے کی سختی سے تنبیہ کی جائے اور عام طور پر کردارکشی اور منفی اندازِ فکر کا جو رویہ اپنایا جاتا ہے۔ اس کا قلع قمع کیا جائے۔

۴۔ یہ بات بھی ضروری ہے کہ نظم و ضبط کو برقرار رکھنے کے لیے کسی چھوٹے بڑے کی تمیز روا نہ رکھی جائے۔ بالعموم یہ دیکھا جاتا ہے کہ ایک بڑا آدمی جرم کر کے اپنی "بڑائی" کے بل بوتے پر صاف بچ جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے معاشرہ میں عجیب طرح کی انارکی پھیلتی ہے۔

۵۔ جدید تعلیم گاہوں میں مخلوط نظام کو یکسر ختم کر دیا جائے اور حدود الٰہی کی روشنی میں صنفِ نازک کی تعلیم کا معقول و مؤثر انتظام کیا جائے۔

خدا کرے کہ ہماری یہ گزارشات لائق توجہ ہوں اور ملت کی فلاح کی خاطر کی جانے والی جدوجہد بار آور ہو۔

علوی ۲ ذوالحجہ ۹۹

خطبۂ جمعہ

ضبط و ترتیب
ڈاکٹر مناظر حسین نظر

علم حاصل کرنا مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے
کیونکہ
علم کے برابر کسی صفتِ انسانی کا درجہ نہیں

○ جانشین شیخ التفسیر حضرۃ مولانا عُبید اللہ انور مدظلہم ○

الحمد للہ وکفیٰ و سلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد: فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم:۔

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَ يَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

(پ ۲۳ س الزمر آیت ۹)

ترجمہ: (کیا نافرمان بہتر ہے) یا وہ جو رات کے اوقات میں سجدہ اور قیام کی حالت میں عبادت کر رہا ہو، آخرت سے ڈر رہا ہو اور اپنے رب کی رحمت کی امید کر رہا ہو کہہ دو! کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں؟ سمجھتے وہی ہیں جو عقل والے ہیں۔

حاشیہ شیخ الاسلام رح

یعنی جو بندہ رات کی نیند اور آرام چھوڑ کر اللہ کی عبادت میں لگا، کبھی اس کے سامنے دست بستہ کھڑا رہا کبھی سجدہ میں گرا۔ ایک طرف آخرت کا خوف اس کو بیقرار کئے ہوئے ہے اور دوسری طرف اللہ کی رحمت نے ڈھارس بندھا رکھی ہے۔ کیا یہ سعید بندہ اور وہ بدبخت انسان کہ مصیبت کے وقت خدا کو پکارتا ہے اور جہاں مصیبت کی گھڑی ٹلی خدا کو چھوڑ بیٹھا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ ایسا ہو تو یوں کہو کہ ایک عالم اور جاہل یا سمجھدار اور بے وقوف میں کچھ فرق نہ رہا — مگر اس بات کو بھی وہ ہی سوچتے سمجھتے ہیں جن کو اللہ نے عقل دی ہے۔

علم کے برابر کسی صفتِ انسانی کا درجہ نہیں

اس آیت مبارکہ سے علم اور علم میں غور کرنے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ علم کے برابر اور کسی صفت انسانی کا درجہ نہیں۔ اسلامی تعلیمات پر غور کیا جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح سامنے آ جاتی ہے کہ ابوالبشر، ملائکہ، دیوتاؤں اور جنات کا بھی مسجود ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ابوالبشر صفتِ علمیہ

میں ان سے بڑھ گیا تھا۔ اس کے برعکس دیگر مذاہبِ عالم نے علم کے دیوتا اور دیویاں اور فرشتے انسانوں سے برتر سمجھ رکھے ہیں اور انسان کو اُن کے آگے سرنگوں کر رکھا ہے۔

یہ اسلام اور فقط اسلام کا کارنامہ ہے کہ اُس نے آدمؑ کو سب کا مسجود بنایا اور اشرف المخلوقات کو اُس کے صحیح مقام سے آشنا کیا۔

ایمان والے اور علم والے

ارشادِ ربّانی ہے :-

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (مجادلہ)

ترجمہ: اللہ درجات بلند فرماتا ہے اُن کے جو تم میں سے ایمان والے ہیں اور ان کے جن کو علم ملا ہے۔

بلندیٔ درجات میں علم کو ایمان کے ساتھ بیان فرمانا عظمتِ علم کی دلیل ہے۔

وحی کا آغاز ــــ اور ترغیبِ علم کا اچھوتا اسلوب

اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۗ

پڑھیئے! اور آپؐ کا رب تو سب سے بڑھ کر کرم والا ہے جس نے قلم سے سکھایا۔ (اور) انسان کو سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا۔

غور فرمائیے! وحی کے ابتدائی فقرات ہیں یہ کلماتِ طیّبات نازل ہوئے اور حکم ہوا کہ پڑھیئے! اور آپ کا رب تو بڑے کرم والا ہے۔ آپؐ کی تربیت جس شان سے کی گئی اس سے آپؐ کی کامل استعداد اور لیاقت نمایاں ہے اور جب استعداد میں قصور نہیں اور مبداءِ فیاض میں بخل نہیں کیونکہ وہ تمام کریموں سے بڑھ کر کریم ہے تو پھر وصولِ فیض میں بھی کوئی رکاوٹ نہیں ہو سکتی۔ قلم سے بھی وہی علم دیتا ہے اور یوں بھی وہی علم دے گا۔ بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے تو کچھ نہیں جانتا لیکن آخر اُسے رفتہ رفتہ کون سکھاتا ہے؟ بس جو ربِ قدیر انسان کو جاہل سے عالم بناتا ہے وہی ایک اُمّی کو کائنات کا معلّمِ اعظم اور امام الانبیاء والمرسلین بنا دے گا۔

پڑھیئے اور سر دُھنیئے

ذرا اس اسلوبِ پاک کی گہرائی میں اتر کر دیکھئے اور اس اچھوتے اندازِ بیان کو سامنے رکھ کر اندازہ فرمائیے کہ کس طرح پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ پھر قلم کو نشرِ علوم کا ذریعہ بتا کر انسان کے قابلِ تعلیم ہونے اور تدریجاً نامعلوم علوم کی تعلیم سے مشرّف ہوتے رہنے کا بیان کیا گیا ہے اور کس طرح قرأت و تحریر کے وسائل اختیار کرنے کے بعد انسان کو روز افزوں معلومات کے حاصل کرنے کا شوق دلایا گیا ہے۔ ان چند کلماتِ طیبات میں علم کا شوق دلانے اور ترغیبِ علم کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے اور حصولِ علم اور علم میں اضافہ کرتے رہنے کا حکم نہایت ہی بلیغ اور اچھوتے اسلوب میں دیا گیا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ پڑھیئے اور سر دُھنیئے اور قرآن کی فصاحت و بلاغت پر قربان ہو جائیے!

حاصل یہ ہے کہ اسلام نے علم کو بڑی فضیلت دی ہے اور اس کا بڑا درجہ رکھا ہے۔ حصولِ علم کی ترغیب میں قرآن و حدیث کے اوراق بھرے پڑے

ہیں اور ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ علم حاصل کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑے اور مہد سے لے کر لحد تک یعنی پیدائش سے لے کر مرتے دم تک علم حاصل کرنے کی کوشش میں لگا رہے۔

علم کی تلاش اور فضیلتِ علم

علم کی تلاش میں رہنے اور اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہنے کا دینِ خداوندی میں بہت بڑا درجہ اور مقام ہے۔ اس بارے میں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ پیدا ہونے کے وقت سے لے کر مرتے دم تک علم سیکھتے رہو۔ واضح بات ہے کہ بچہ پیدا ہوتے ہی ہر چیز کو دیکھ کر، سن کر، چھو کر، چکھ کر اپنی بساط کے مطابق اپنے مطلب کی باتیں سیکھنی شروع کر دیتا ہے اپنوں اور پرایوں میں فرق کرنا سیکھ جاتا ہے، میٹھی کڑوی سلونی اور کھٹی چیز کا امتیاز کرنے لگتا ہے، گرمی سردی پہچاننے لگتا ہے، بولنا سیکھ جاتا ہے۔ پھر ماں باپ جو کچھ بتاتے اور سکھاتے ہیں سمجھنے اور سیکھنے لگتا ہے اور رفتہ رفتہ اس کے علم میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ پس بڑوں کا فرض ہے کہ بچے کے علم کے اس سلسلہ کو منقطع نہ ہونے دیں۔ بلکہ جوں جوں بچہ بڑھتا چلا جائے اس کے علم میں مزید اضافے کرتے چلے جائیں اور اس میں علوم کے سیکھنے کا شوق پیدا کرتے رہیں یہاں تک کہ خود اس کو علم کا چسکا پڑ جائے اور اس میں علم کا ایسا ذوق اور شوق پیدا ہو جائے کہ مرتے دم تک ساتھ نہ چھوڑے۔ یہی تعلیم کا مقصد ہے اور اس کا انتظام ایک مسلمان پر فرض ہے۔ ماں کی گود اور گھر کا ماحول بچہ کے لیے سب سے پہلی اور عظیم درسگاہ ہے۔ جو چیز ابتداءً اس میں راسخ ہو جاتی ہے وہ مرتے دم تک ساتھ جاتی ہے۔ پس اس میں دین کی محبت، خدا و رسول سے الفت اور علماء و صلحاء سے رغبت بچپن میں ہی ودیعت کی جا سکتی ہے۔ نیکی اور برائی کا فرق اور حلال حرام کی تمیز ابتدائی عمر میں قلب و دماغ میں اتاری جا سکتی ہے۔ غرضکہ مفید علم کا شوق آدمی میں پیدا کرنا اس کے بچپن کے علم حاصل کرنے کے طریقے کو آگے بڑھاتا ہے اور ظاہر ہے اس کی ذمہ داری اُن لوگوں پر ہے جو تربیت کے ذمہ دار ہوتے ہیں

علم حاصل کرنا
ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے

رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لیے فرمایا ہے کہ علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے جب مرد اور عورت دونوں علم والے ہوں گے تو واضح بات ہے کہ وہ بچے کو بھی علم سکھائیں گے اور اس کو علم میں اضافے کی ترغیب دیتے رہیں گے۔

علم کی جستجو

علم کی جستجو کے بارے میں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص ایسے راستے میں چلے جس میں وہ علم (دین) کی جستجو کرتا ہو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان فرما دے گا (مسلم)

ایک اور حدیث میں ارشادِ نبوی ہے کہ جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔ (متفق علیہ)

علماء نبیوں کے وارث ہیں

دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ علماء نبیوں کے وارث ہیں اور انبیاء علیہم السلام نے درہم و دینار کی میراث نہیں چھوڑی ہے۔ پس جس شخص نے علم کو لے لیا اس نے بہت بڑا حصہ (میراث انبیاء علیہم السلام کا) حاصل کر لیا۔ (احمد ترمذی ابوداؤد ابن ماجہ، دارمی)

طالب علم کا درجہ

حسن بصریؒ سے روایت ہے اور وہ ایک صحابیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کو موت آئے اس حال میں کہ وہ سیکھ رہا ہو علم اس غرض سے کہ زندہ کرے اسلام کو پس اس کے اور نبیوں کے درمیان جنت میں ایک درجہ کا فرق ہوگا۔

مطلب یہ ہے کہ جو شخص اسلام کو زندہ کرنے کے لیے علم سیکھتا ہے اور اسلام پر چلتا ہے اس شخص کو جنت میں نبیوں کے قریب جگہ دی جائے گی۔ نبیوں میں اور اس میں صرف ایک درجہ کا فرق ہوگا۔

واضح بات ہے کہ نبیوں کا طریقہ یہی ہے کہ اپنے علم کے مطابق عمل کرتے ہیں اور لوگوں کے لیے مثال قائم کرتے ہیں۔ دوسرے ان کا نمونہ دیکھ کر دین پر عمل کرتے اور قرب خداوندی کے منازل طے کرتے ہیں—— علم انبیاء کی میراث ہے اور دوسروں کے لیے نمونۂ عمل بننا انبیاء کی خاص صفت ہے پس جو امتی نبی کی پیروی کرے گا جنت میں اپنے عمل اور پیروی کے مطابق اُن کے قرب میں جگہ پائے گا لیکن چونکہ کوئی امتی نبی نہیں بن سکتا اور نہ ہی نبی کے درجہ کو پا سکتا ہے اس لیے نبیوں سے ایک درجہ میں نیچا ہوگا اور یہ بھی بہت ہی بڑی بات ہے—— حق تعالیٰ سبحانہٗ ہم سب کو یہ درجہ اپنے فضل سے عطا فرمائے ہم دنیا میں صحیح علم حاصل کریں اور نیک اعمال کریں۔ تاکہ آخرت میں انبیاءؑ اور ان کے مقربین کا قرب نصیب ہو۔

علم کی کوشش

حضرت واثلہ بن الاسقع سے روایت ہے وہ کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے علم کو تلاش کیا اور پا لیا اس کے لیے دو حصے ثواب ہے اور اگر اس کو نہ پایا تو اس کے لیے ثواب کا ایک حصہ ہے۔

(مشکوٰۃ شریف، کتاب العلم)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ علم کے لیے کوشش بھی باعثِ اجر و ثواب ہے اور مسلمان کو حصولِ علم کی کوشش میں لگے رہنا چاہیئے—— بعض احادیث میں تو یہاں تک آیا ہے کہ طالب علم کی سیاہی راہِ حق میں شہید ہونے والے کے خون سے زیادہ واجب الاحترام ہے اور یہ حدیث تو مشہور ہے کہ تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن کا عالم اور سکھلانے والا ہو—— ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایک سمجھ دار عالم (فقیہ) شیطان پر ہزار عبادت گزار لوگوں سے زیادہ بھاری ہے۔

علم—عمل کا امام ہے!
اس کی طلب عبادت، مذاکرہ تسبیح
اور بحث جہاد ہے!

حضرت معاذ بن جبل

رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ علم سیکھو! اس کا سیکھنا اللہ پاک سے ڈرنا ہے اور اس کی طلب عبادت ہے اور اس کا مذاکرہ تسبیح ہے اور اس سے بحث اور پوچھ گچھ کرنی جہاد ہے اور جو نہیں جانتا اسے یہ سکھانا صدقہ ہے۔ اور علم کا اس کے اہل کو دینا قربت ہے اس لیے کہ یہ یعنی علم حلال اور حرام کی بتلانے والی چیز ہے اور اہل جنّت کی روشن نشانی ہے۔ اوقاتِ وحشت میں انسیت دلانے والا ہے، مسافرت کا ساتھی ہے، تنہائی میں ایک محدّث ہے اور نقصان و نفع کی دلیل ہے، دشمن کے خلاف ہتھیار ہے اور بزرگوں کے نزدیک یہ دین ہے (دوستوں کے نزدیک زینت ہے) اس کے ذریعے اللہ پاک ایک قوم کو بلندی دیتا ہے اور بھلائی میں ان کو سردار اور امام بنا دیتا ہے۔ ایسے لوگوں کے آثار حاصل کیے جاتے ہیں۔ (یعنی ان سے برکتیں لی جاتی ہیں) اور ان کے افعال کی اقتداء کی جاتی ہے اور ان کی رائے پر بھروسہ کیا جاتا ہے۔ ملائکہ ان سے دوستی کرانے میں راغب ہیں، اور اپنے پروں سے ان کو چھوتے ہیں۔ ان حضرات کے لیے ہر خشک و تر مغفرت کرتا ہے یہاں تک کہ وہ مچھلیاں جو سمندر میں ہیں اور اس کے کیڑے مکوڑے اور پھاڑنے والے پرندے اور اس کے چوپائے بھی، اس لیے کہ علم جہالت سے دلوں کے لیے حیات ہے اور تاریکیوں سے آنکھوں کے لیے چراغ ہے۔ علم کے ذریعے بھلے لوگوں کے مراتب تک پہنچا جاتا ہے اور دنیا و آخرت میں اونچا درجہ حاصل کیا جاتا ہے۔ علم میں فکر کرنا اور مطالعہ کرنا روزہ رکھنے کے برابر ہے اور اس کا پڑھنا پڑھانا رات کی عبادت (تہجد) کے برابر ہے اس کے ذریعے صلۂ رحمی کی جاتی ہے اور حلال کو حرام سے پہچانا جاتا ہے ـــــ وہ عمل کا امام ہے اور عمل اس کے تابع ہے نیک بختوں کے دل میں اس کا الہام کیا جاتا ہے اور بدبخت اس سے محروم رکھے جاتے ہیں۔

(رواہ اخرجہ ابن عبد البر فی جامع بیان العلم)

باب العلم امام الاولیاء سیّدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی علم کے بارے میں نصیحتیں

کمیل بن زیادؓ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھ کو لے کر جنگل کے ایک گوشہ کی طرف چلے۔ جب ہم جنگل میں پہنچ گئے تو آپؓ بیٹھ گئے۔ پھر ایک لمبا سانس لیا۔ اس کے بعد فرمایا "اے کمیل بن زیادؓ! قلوب برتنوں جیسے ہیں۔ ان میں سے بہتر وہ دل ہے جو زیادہ حفاظت کرے۔ جو کچھ میں تجھ سے کہوں گا اُسے محفوظ رکھنا۔ انسان تین قسم پر ہیں پس عالم ربّانی اور متعلم جو نجات کے طریقے پر ہے اور شور مچانے والے رذیل انسان۔ جو معاملات کو گڑبڑ کرنے والے ہیں اور ہر شور کا ساتھ دینے والے ہیں، جو ہر ہوا کے ساتھ جھکتے ہیں ـــ نورِ علم کی روشنی حاصل نہیں کی۔ اور کسی مضبوط گوشہ کے ساتھ پناہ نہیں پکڑی ـــــ علم مال سے بہتر ہے، علم تیری حفاظت کرے گا حالانکہ تُو مال کی حفاظت کرتا ہے۔ علم۔ عمل کرنے سے بڑھتا رہتا ہے اور مال کو خرچ کرنا گھٹا دیتا ہے ـــــ عالم کی محبت دین ہے جس پر جزا دی جائے گی، علم۔ عالم کی

زندگی میں جذبۂ اطاعت پیدا کرتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد بہترین نئے ثوابات دیتا ہے اور مال والے کام مال کے زائل ہونے کے بعد زائل ہو جاتے ہیں

مالوں کے جمع کرنے والے مر جائیں گے اور علماء کرام زندہ رہیں گے۔ اور علماء جب تک زمانہ باقی ہے باقی رہیں گے، ان کے اجسام گم ہو جائیں گے اور ان کی مثالیں دلوں میں موجود رہتی ہیں ــــ سن لے! بے شک اس جگہ (اور اپنے ہاتھ سے اپنے سینے کی طرف اشارہ کیا) علم ہے ــ اگر تو اس کے لیے درست رائے دیا گیا ہے تو بے شک اس کو بہت جلدی سمجھ لے گا۔ (اور ایک وہ ہے جو علم کے بارے میں امین نہیں سمجھا گیا اور اسباب دین کو (یعنی علم کو) دنیا کے لیے استعمال کرتا ہے، اللہ کی حجتوں سے اللہ کی کتاب پر غلبہ حاصل کرتا ہے یا اہلِ حق کا اتباع اس طرح پہ کرتا ہے کہ علم کے زندہ کرنے کے بارے میں اسے خود کوئی بصیرت نہیں، اس کے دل میں شک ظاہر ہوتا ہے۔ جہاں کوئی شبہ ہوا نہ اس طرف طبیعت جمتی ہے اور نہ اس طرف۔ یا اس کی طبیعت میں لالچ پیدا ہو گیا ہے۔ جس کی وجہ سے خواہشات کا اتباع کرنے میں انتہائی نرم ہے یا دھوکے میں پڑ گیا ہے۔ مال اور ذخیرہ کے جمع کرنے میں ــ اور یہ دونوں قسمیں دین کی طرف بلانے والوں میں سے نہیں ہیں، چرنے والے ڈھوروں کے ساتھ اُن کی مشابہت زیادہ قریب ہے۔ اسی طرح (ایک زمانہ میں) علم مر جائے گا بسبب حاملین علم کے مر جانے کے۔ اے میرے اللہ! بے شک بات اسی طرح پر ہے کہ روئے زمین اُن لوگوں سے خالی نہ ہوگی جو اللہ کے لیے دلائل لے کر کھڑے ہوئے ہیں تاکہ اللہ کی حجتیں اور اس کے دلائل باطل نہ کئے جا سکیں۔ ایسے لوگ تعداد میں بہت کم ہوں گے اور اللہ کے نزدیک اُن کے مرتبے بہت ہیں۔ انہیں حضرات کے ذریعے اللہ پاک اپنے دلائل پر سے مدافعت فرمائے گا ــ یہاں تک کہ یہ حضرات ان دلائل کو اپنے جلیسوں تک پہنچائیں گے اور اُن کو اپنے جلیسوں کے دل میں بو دیں گے ان حضرات کی وجہ سے علم اپنی حقیقت پر بکھر جائے گا۔ تم ان سے نرمی کے ساتھ ان باتوں کو حاصل کرنا جن کو دنیا دار لوگوں نے ان سے سخت سمجھا ہے ــ اور تم ان کی اس چیز سے نصیحت پکڑنا جس کی وجہ سے جاہلوں نے ان سے وحشت پکڑی ہے۔ یہ حضرات اپنے بدن کے ساتھ ہیں حالانکہ ان کی روحیں منظرِ اعلیٰ (آخرت) کے ساتھ معلق ہیں۔ یہی حضرات اللہ کے شہروں میں اللہ کے خلیفہ ہیں اور اللہ کی طرف سے اللہ کے دین کی طرف بلانے والے ہیں۔ ہائے ہائے کس قدر شوق ہے ان حضرات کے دیکھنے کا! اور میں اللہ پاک سے اپنے لیے اور تیرے لیے مغفرت طلب کرتا ہوں۔ اب اگر تو چاہے تو چلا جا ــ

حضرات محترم! قرآن پاک احادیث نبویؐ اور آثار صحابہؓ سے مشتے نمونہ از خروارے چند احکام اور باتیں علم، حصولِ علم اور تلاش علم کے سلسلے میں پیش کی گئی ہیں یہ جواہر پارے اگر حرزِ جان بنائے جائیں اور علماء ربانی کی صحبت میں بیٹھ کر

(باقی ۲۲ پر)

مصنوعی تہذیبیں

ایک صاحب شعور مومن کی نظر میں

یہ مضمون دراصل ہندوستان کے ممتاز اسلامی دانشور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی ایک تقریر ہے جو آپ نے ۳ محرم الحرام کو ابوظبی میں کی تھی۔ یہ تقریر لکھنؤ کے عربی ماہنامے "البعث الاسلامی" میں شائع ہو چکی ہے اس کا ترجمہ مولانا شمس الحق ندوی نے کیا ہے جو مارچ کے الفرقان لکھنو میں شائع ہوا ہے۔ اس مضمون میں قارئین مولانا ندوی کے اندازِ تحریر کی شگفتگی اور حسن تو نہیں پا سکیں گے کیونکہ یہ ترجمہ ہے تاہم مترجم نے روحِ مضمون کو کہیں بھی مجروح نہیں ہونے دیا۔ امید ہے کہ قارئین اس مضمون کو پسند فرمائیں گے۔ (ادارہ)

محترم دوستو اور بھائیو!

عرب مؤرخین نے تاریخ اسلام کے ایک واقعہ کا بار بار ذکر کیا ہے جس کو ہم جلدی میں سرسری طور پر پڑھ جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ واقعہ بڑا توجہ طلب معنی خیز اور حکمت سے لبریز ہے اور اس کا مطالعہ ہمیں بڑی سنجیدگی اور غور سے کرنا چاہیے۔ اس وقت میں اپنی گفتگو کی ابتداء اسی واقعہ سے کرتا ہوں۔ اس لیے کہ اس کا ہمارے موضوع سے بڑا گہرا اور دور رس تعلق ہے۔ یہ واقعہ موجودہ بے جان اور کھوکھلی تہذیبوں کے بارے میں ایک باشعور وغیرت مند مومن کے نقطۂ نظر کو واضح و متعین کرتا ہے۔ تاریخ اسلام کے مطالعہ میں یہ واقعہ آپ کی نظر سے گزرا ہوگا۔ میں نے جب اس واقعہ کو پڑھا اور اس کی وسعت و گہرائی پر غور کیا تو تصویر حیرت بن کر رہ گیا۔ معلوم نہیں اس واقعہ کے مطالعہ میں آپ کے ساتھ بھی یہ بات پیش آئی یا نہیں؟

ایسا بہت ہوتا ہے کہ ایک شخص کسی واقعہ کو پڑھ کر عجیب وغریب نتائج نکالتا ہے اور اس کی وسعت و گہرائی پر انگشت بدنداں ہو جاتا ہے۔ دوسرے بہت سے لوگ اس کو رواداری میں پڑھ جاتے ہیں۔ ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ چاہے وہ پہلے پڑھنے والے سے زیادہ وسیع المطالعہ ہوں اور تاریخ پر ان کی گہری نظر ہو۔

اس واقعہ کو عرب مؤرخین نے اپنے مزاج و عادت کے مطابق بڑی سادگی اور اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس کی تفصیل و گہرائی میں نہیں گئے۔ وہ بیان کہ ایرانی سپہ سالار رستم نے ہمارے امیر حضرت سعد ابن ابی وقاص رض سے جو ایرانی محاذ پر اسلامی

فوج کے کمانڈر تھے درخواست کی کہ وہ مسلمانوں میں سے ایک شخص کو بھیج دیں، جس سے وہ اس جنگ کے اسباب و وجوہ معلوم کرے جو بے سان و گمان چھڑ گئی ہے۔ ان کے تو حاشیۂ خیال میں بھی یہ نہ تھا کہ عرب کے یہ بدّو جنہیں تن ڈھکنے کے لیے کپڑا اور پیٹ بھرنے کے لیے خشک روٹی بھی نصیب نہیں۔ ان سے اس طرح بر سرِ پیکار ہوں گے۔ عرب تو صدیوں سے الگ تھلگ صحرا میں زندگی گزارنے پر قانع تھے۔ پھر اچانک یہ صورتحال کیونکر پیش آئی۔ یہ لوگ تو دُنیا سے الگ تھلگ اور سادہ زندگی پر قانع تھے۔ انہیں مُلک گیری اور پاس پڑوس کی حکومتوں پر لشکر کشی سے کوئی دلچسپی نہ تھی، لیکن اپنی طویل تاریخ میں جب اس وقت وہ روم و فارس سے جنگ آزما ہوئے تو دُنیا کی توجہ کا مرکز بن گئے اور اہلِ روم و ایران جن سے براہِ راست مقابلہ تھا، حیران و ششدر تھے کہ یہ بلائے ناگہانی کہاں سے آ پڑی۔

بہرکیف حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ربعی بن عامر کو رستم کے پاس بھیجا۔ رستم نے اپنے دربار کو ایسا سجایا تھا، بلکہ مرعوب کرنے کے لیے ایسے غیر معمولی طریقے اپنائے تھے کہ دیکھنے والا حیران رہ جائے۔ اس نے اپنے دربار کو سُنہرے گاؤ تکیوں، ریشمی فرش و فروش اور جگمگاتے ہوئے ہیرے جواہرات سے سنوار رکھا تھا۔ غرض یہ کہ زیب و زینت کے جو بھی اسباب ہو سکتے ہیں وہ سب مُہیا کر لیے تھے اور خود تاج پہن کر سونے کے تخت پر بیٹھا تھا، اس حال میں حضرت ربعی بن عامر دربار میں داخل ہوئے وہ صحرا سے نکل کر آئے تھے ایسے ٹیپ ٹاپ اور آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی ایسی سجاوٹ سے کبھی سابقہ نہ پڑا تھا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ آن بان کو دیکھ کر وہ دم بخود رہ جاتے مگر انہوں نے تو کچھ اور ہی سبق پڑھا تھا۔ ان کے دِل کی دُنیا اس دربار کی جگمگاہٹ سے کہیں زیادہ تابناک و منوّر تھی۔ دربار کا یہ حسین منظر ان کو بچوں کا کھلونا معلوم ہو رہا تھا وہ انتہائی وقار و تمکنت کے ساتھ رستم کے پہلو میں اس اطمینان کے ساتھ جا کر بیٹھ گئے جیسے اپنے کسی بے تکلف رفیق دوست کے ساتھ بیٹھے ہوں۔

گفتگو شروع ہوئی، رستم نے پوچھا آپ کے آنے کا مقصد اور غرض و غایت کیا ہے؟ حضرت ربعی بن عامر نے نہایت سنجیدگی و متانت کے لہجہ میں فرمایا، ہم کو اللہ نے بھیجا ہے کہ بندوں کو بندوں کی عبادت سے نکال کر صرف اللہ کی بندگی کی طرف بلائیں اور ان کو دُنیا کی تنگی سے نکال کر اس کی وُسعت اور کشادگی کی طرف لائیں، مختلف مذاہب کے ظلم و جور سے نجات دلا کر اِسلامی عدل و انصاف میں داخل کریں۔ خدا نے ہم کو اپنا دین دے کر اپنی مخلوق کی طرف بھیجا ہے کہ ان کو خُدا کی طرف بُلائیں اور اس کی دعوت دیں۔

دوستو اور بھائیو! میرا یہ منشا نہیں کہ اس سادہ اور معنی خیز واقعہ کے تینوں اجزاء کی تشریح و وضاحت کروں۔ میں اِس وقت قصّہ کے صرف ایک جزء کی وضاحت و تشریح کرنا چاہتا ہوں۔ اس باشعور مردِ مومن نے رستم کو اس وقت مخاطب کیا

جب وہ شان و شوکت اور رعب
و دبدبہ کی انتہائی منزل پر تھے
راحت و آسائش کے سارے اسباب
مہیا تھے مگر یہ بندۂ خدا کہتا ہے
کہ دُنیا کی تنگی سے اس کی وسعت
کی طرف لائیں۔ مجھے ان کے
اس جملہ پر کہ "بندوں کی عبادت
سے نکال کر اللہ کی عبادت
کی طرف بلائیں" حیرت و تعجب
نہیں ، ان کے اس جملے پر
حیرت ہے کہ "مذاہب کے ظلم وجور
سے نکال کر اسلام کے عدل و
انصاف میں داخل کریں" یہ تو
ان مسلمانوں کے لیے ایک بدیہی
حقیقت تھی جن کے دلوں میں
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید
کا عقیدہ بٹھایا تھا اور ایمان و
یقین کا بیج بویا تھا اور کفر و
شرک اور فسق و فجور کو ان
کے لیے مبغوض بنا دیا تھا۔ وہ
بندگانِ خدا شرک و بت پرستی
اور انسان کی اپنے ہی جیسے
انسان کے سامنے سرخمیدگی کو
ذلت و حقارت کی نظر سے دیکھتے
تھے ، ان کو اس سے گھن آتی
تھی۔ ان کا ذوقِ سلیم اس سے
ابا کرتا تھا۔

حضرت ربعی بن عامرؓ پر
یہ حقیقت بھی عیاں تھی کہ فارس
کے بادشاہوں اور حکمرانوں نے
لوگوں کو غلام بنا رکھا تھا، اور
ان کے ساتھ وہ برتاؤ کرتے
ہیں جو خدا بندوں کے
ساتھ کرتا ہے ، وہ برتاؤ
نہیں جو آقا غلام کے ساتھ
کرتا ہے۔ لوگ ان کے سامنے
جھکتے ہیں زمین بوس و سجدہ
ریز ہوتے ہیں۔ ان کے عوام
کا یہ عقیدہ تھا کہ بادشاہوں
اور حکام کا طبقہ عام انسانوں
سے بلند و برتر اور مقدس
ہے ، ان کی رگوں میں خدائی
خون جاری ہے۔

اور ان مردانِ حق کا
ایمان و عقیدہ یہ تھا کہ
پاک و مقدس صرف خدا کی
ذات ہے اور دینِ اسلام
ہی برحق و سچا خدائی دین و
قانون ہے۔ اس کے علاوہ جو
بھی ادیان و مذاہب پائے
جاتے ہیں۔ وہ حقیقت سے
بہت دور اور ظلم و جور
کا سرچشمہ بن چکے ہیں
وہ انسانوں کو انسان ہی
کا غلام و پرستار بناتے ہیں
انسانی کنبہ کو دینی پیشواؤں
اور راہبوں کے تابع کرتے
ہیں اور ان کو ایسی پابندیوں،
بیڑیوں اور پھندوں میں جکڑتے
ہیں جن کا خدا کی طرف
سے کوئی ثبوت نہیں۔

ان بندگانِ خدا نے
اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو
سُنا اور پڑھا تھا۔

الذین یتبعون الرسول النبی الامی
الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ
والانجیل یامرھم بالمعروف وینھاھم
عن المنکر ویحل لھم الطیبات و
یحرم علیھم الخبائث ویضع عنھم
اصرھم والاغلال التی کانت علیھم[1]

جو لوگ کہ ایسے رسول نبی اُمّی
کی پیروی کرتے ہیں جن کو وہ
لوگ اپنے پاس توریت اور انجیل
میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ ان
کو نیک باتوں کا حکم دیتے ہیں
اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں
اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے
لیے حلال بتلاتے ہیں اور گندی
چیزوں کو ان پر حرام فرماتے
ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ
اور طوق تھے ان کو دور کرتے
ہیں۔

انہوں نے خدا کا یہ
فرمان بھی سنا تھا۔

یاایھا الذین آمنوا ان کثیرا من
الاحبار والرھبان لیاکلون اموال الناس
بالباطل ویصدون عن سبیل اللہ[2]

اے ایمان والو! بہت سے عالم
و درویش لوگوں کا مال ناجائز
طور پر کھاتے ہیں اور اللہ کی
راہ سے روکتے ہیں۔

انہوں نے یہ آیات قرآنی

---

[1] سورۂ اعراف آیہ ۱۵۰
[2] سورہ توبہ آیہ ۳۴

پڑھی تھیں اور ان پر ایمان لائے تھے اور جن ادیان و مذاہب سے وہ واقف تھے۔ مثلاً روم کے نصرانی، فارس کے مجوسی اور مدینہ کے یہودی، ان کے اندر قرآن کے بیان کیے ہوئے ان حقائق کو دیکھ رہے تھے۔ ان آیات و تعلیمات کی روشنی میں اگر ربعی بن عامرؓ یہ فرماتے کہ ہم بندوں کو دُنیا کی تنگی سے آخرت کی وُسعت کی طرف بلانے اور نکالنے کے لیے آئے ہیں تو حیرت کی بات نہیں تھی اس لیے کہ یہ انہوں نے پڑھا تھا اور اس آخرت پر ایمان رکھتے تھے جس کو وسعت لامحدود اور بقائے دوام حاصل ہے۔ وہ اس جنت پر ایمان رکھتے تھے جس کی نعمتوں، راحتوں اور وسعت کی کوئی حد نہیں۔

انہوں نے قرآن کریم میں جس کا ایک ایک فرمان ان کے رگ و پے میں جاری و ساری تھا۔ یہ پڑھا تھا کہ لپکو اور بڑھو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت زمین و آسمان کی وسعت کے برابر ہے۔ جو احکام خداوندی کا پاس و لحاظ رکھنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ انہوں نے غزوۂ بدر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا تھا کہ اس جنت کی طرف بڑھو جس کی وسعت زمین و آسمان کے برابر ہے اور یہ بھی فرماتے سُنا تھا کہ جنت کے اندر ایک کوڑے بھر کی جگہ بھی دُنیا و مافیہا سے افضل و بہتر ہے۔ اس نبوی تعلیم تربیت کے نتیجہ میں اگر وہ کہتے کہ ہم ان کو دُنیا کی تنگی سے آخرت کی وسعت کی طرف نکالنے آئے ہیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں تھی اس لیے کہ ان کو یہی سبق پڑھایا گیا تھا۔

تعجب و حیرت ان کے اس جملہ پر ہے کہ "دُنیا کی تنگی سے اس کی وسعت کی طرف لائیں"۔ وہ کون سی تنگی تھی جس میں اہل فارس گھٹ رہے تھے، اور وہ کیا وُسعت تھی جو عربوں کو حاصل تھی کہ ربعی بن عامرؓ نے ان سے بے تکلف فرمایا کہ اے بدنصیب و دُکھ درد کے مارے ہوئے ایرانیو! ہم تم کو دُنیا کی تنگی سے اس کی وسعت و کشادگی میں لانا چاہتے ہیں۔

کیا عرب جس حال میں تھے وہ وسعت کہلانے کے لائق تھے اور ایرانیوں کو جو عیش و تنعم حاصل تھا اس کو تنگی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے؟ پھر ان کے اس جملے کا آخر راز کیا ہے؟ آیئے ہم تاریخ کے صفحات میں اس حقیقت کو تلاش کریں اس لیے کہ تاریخ دو ٹوک حقیقت پیش کرتی ہے۔ عربوں، رومیوں اور ایرانیوں کی تاریخ مرتب و مدون ہے۔ اس میں شکوک و شبہات کی گنجائش نہیں۔ اس کو سچے اور ثقہ راویوں نے بیان کیا ہے۔ اس کو معتبر روایتوں اور معتبر طریقوں سے تائید بھی حاصل ہے۔ اگر عرب وسعت و کشادگی اور خوشحالی کی زندگی گزار رہے تھے تو یہ بات ان راویوں سے پوشیدہ اور مخفی نہیں تھی کہ تاریخ اس سے سکوت اختیار کرتی، اسی طرح ایرانی اگر عُسرت و تنگی کی زندگی گزار رہے تھے تو یہ بات بھی اُن سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی۔ تاریخ شاہد ہے اور تمام مؤرخین اس پر متفق ہیں کہ رومی و ایرانی نہایت خوش حالی اور فارغ البالی کی زندگی گزار رہے تھے بلکہ دل کھول کر دادِ عیش دے رہے تھے۔ دُنیا کا دامن ان کے لیے وسیع و کشادہ تھا اور ان کی زندگی سامانِ راحت و آسائش سے بھری ہوئی بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ سدا بہار تھی۔

(الف) دوسری طرف عربوں کی زندگی

زندگی اس کے بالکل برعکس تھی سادہ اور موٹی جھوٹی زندگی گزارنے کے عادی تھے۔ یہ حضرت عمر فاروقؓ کا عہدِ خلافت تھا اور مسلمان اپنی عربی اسلامی فطرت پر قائم تھے۔ تہذیب و ثقافت کا دائرہ ابھی تک اتنا وسیع و پُرپیچ نہیں ہوا تھا جتنا بعد کے زمانے میں ہوا خود خلیفۃ المسلمین حضرت عمرؓ کی زندگی بھی نہایت سادہ و زاہدانہ تھی اور عام مسلمانوں کی بھی۔

عربوں کی اس زندگی کو رومی و ایرانی حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور انہیں بدوی اور پس ماندہ سمجھتے تھے۔ انہیں ان کی عسرت و تنگی پر ترس آتا تھا جب تصویر کا صحیح رُخ یہ ہے، اور عربوں کی وسعت اور ایرانیوں کی تنگی کی حقیقت وہ ہے جس کی تفصیل اوپر گزری تو ہم اس مرد مومن کے جملہ پر (کہ ہم تم کو دُنیا کی تنگی سے اس کی وسعت کی طرف نکالنے کے لیے آئے ہیں) غور کریں، اس کی گہرائی میں جائیں اور جائزہ لیں کہ اہلِ فارس کس تنگی و گھٹن میں مبتلا تھے جس پر اس عرب مسلمان نے اظہارِ افسوس کیا۔ اور وہ کونسی وسعت و فراخی تھی جو عربوں کو میسّر و حاصل تھی جس پر اس صحابی جلیل نے تشکر و امتنان کے لہجہ میں اظہارِ فخر کیا۔ کیا ان کا قول شاعرانہ لن ترانی اور مبالغہ پر مبنی تھا۔ حاشا و کلّا مبالغہ آرائی عربوں کا مزاج نہ تھا وہ حقیقت پسند تھے۔ اسلام نے امت مسلمہ کے کسی فرد کو اس کی اجازت نہ دی تھی کہ وہ فخر و غرور کا مظاہرہ کرے اور شاعرانہ مبالغہ آمیزی سے کام لے۔ وہ مبالغہ آمیزی اور مہمل و بے معنی باتیں کرنے سے بہت بلند و برتر تھے۔ بے لاگ و دوٹوک بات کرنا ان کی سرشت و مزاج میں داخل تھا۔

جب حقیقت یہ ہے تو پھر آخر وہ کونسی تنگی تھی جو ان کو نظر آ رہی تھی وہاں کی صورتِ حال تو یہ تھی کہ ایران کی اس عظیم و پُرشکوہ شہنشاہی حدود میں داخل ہوتے ہی ان کی شان و شوکت آرائش و زیبائش اور انواع و اقسام کے ماکولات و مشروبات کو دیکھ کر ان کے مُنہ میں پانی بھر آتا۔ انہوں نے وہاں عیش و تنعم کے گراں قدر ساز و سامان، تہذیب و تمدن کی پوری جلوہ گری ساز و نغمہ کی سحر آفرینی و فتنہ سامانی دیکھی تھی۔ آنکھوں کو خیرہ و چکاچوند کر دینے والے اس تمدن کو دیکھا تھا جو عروج و ترقی کے آخری نقطہ پر تھا۔ اہل فارس نے اپنی ذہانت و نکتہ آفرینی اور صدیوں کے تجربہ اور بے شمار ساز و سامان اور زبردست فتوحات سے اس میں چار چاند لگا دیے تھے۔ اس ملک میں بڑے بڑے شہر اور پُرشوکت عمارتیں تھیں، ہرے بھرے باغات اور دلفریب پارک تھے۔ خوب صورت اور دیدہ زیب بازار تھے۔ انوکھے اور دُور دراز ملکوں سے حاصل کیے ہوئے سامان تھے

دوستو اور بھائیو! یہ عرب آخر کس قماش و کس خمیر کے لوگ تھے جو ان دل کش مناظر و مظاہر کو خاطر میں نہ لاتے تھے اور یہ حُسن و جمال جسے دیکھ کر انسان دیوانہ ہو جائے ان کی نگاہوں میں جچتا نہیں تھا ان کے جملہ پر کہ "اے اہلِ فارس ہم کو خدا نے بھیجا ہے کہ تم کو دُنیا کی تنگی سے اس کی وسعت کی طرف لائیں" ہماری حیرت کی انتہا نہیں رہتی لیکن اگر ہم ذرا غور کریں اور وسعت و تنگی کے ان کے معیار کو سمجھ لیں تو یہ حیرت دُور ہو جاتی ہے گی۔ وہ مردانِ خدا ان بادشاہوں اور حکام کو اس طرح دیکھ رہے تھے، جیسے

عقل مند و دانا انسان اس گڑیا کو دیکھتا ہے جس کو خوب صورت و عمدہ کپڑے پہنا دیے گئے ہوں ربعی بن عامرؓ ان امرا و حکام کو ان مورتیوں کی طرح دیکھ رہے تھے جو بڑی مہارت سے بنائی گئی ہوں اور ان کے بنانے والوں نے اچھی طرح ان کے نوک و پلک درست کیے ہوں مگر مورتی تو مورتی ہی ہے پتھر کی ہو یا سیمنٹ و چونے کی نہ اس میں روح و زندگی ہے نہ چلنے پھرنے کی قوت و طاقت ایرانی امراء و حکام کی حالت اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں تھی۔

حضرت ربعی بن عامرؓ لشکر اسلام کے ایک فرد تھے۔ وہ رستم کو اس نظر سے دیکھ رہے تھے جیسے سونے کے پنجرے میں کوئی پرندہ پلا ہوا ہو۔ اسی طرح کسریٰ (یزدجرد) جس کو انہوں نے ابھی تک دیکھا نہیں تھا، ان کے نزدیک ایک بلبل اور مور یا کسی اور خوب صورت چڑیا کی طرح تھا، ہے وہ بہر حال قید۔ یہ چڑیا پنجرے میں رہتی ہے۔ پنجرا سونے کا ہے اس کی تیلیاں سونے کی ہیں، چڑیا جن برتنوں میں کھاتی پیتی ہے وہ بھی سونے کے ہیں۔ مگر وہ کھلی ہوئی فضا میں آزادی کے ساتھ اڑنے اور پر بلانے کی نعمت سے محروم ہے

آپ بتائیں کہ کوئی بھی انسان جو زندگی کی قیمت اور حقیقت سے واقف ہے۔ آزادی و شعور کی لذت سے واقف ہے۔ علم و عقل کی قیمت سے واقف ہے۔ کیا یہ انسان جس کو خدا نے انسانیت کا شرف بخشا ہے وہ اس مقید پرندے کو رشک و لالچ کی نظر سے دیکھے محض اس لیے کہ وہ سونے کے پنجرے میں ہے اور یہ کچے مکان بلکہ ان کے خیمہ میں رہتا ہے بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر کہتے ہیں کہ کیا ہم کسی پالتو کتے پر رشک کریں گے؟ وہ کتا جسے اس کا یوروپین آقا عمدہ عمدہ کھانے اور میوے کھلاتا ہے اس کو دودھ پلاتا ہے اس کو سونے کا پٹکا پہناتا ہے اس کو نرم و گداز بستر پر سلاتا ہے۔

دوستو اور بھائیو! حضرت ربعی بن عامرؓ، رستم، کسریٰ (یزدجرد) اور ایرانی حکومت کو بالکل اسی نظر سے دیکھ رہے تھے۔

جس نظر سے ہم پالتو پرندہ کو سونے کے پنجرے میں دیکھتے ہیں یا کسی یوروپین کے پالتو کتے کو اس کی گود میں اور موٹر میں دیکھتے ہیں۔

محترم دوستو اور بھائیو! اس کا راز یہ تھا کہ حضرت ربعی بن عامرؓ جس دین پر ایمان رکھتے تھے، جس دعوت کے حامل تھے، وہ جس شخصیت کے مالک تھے اور جس خدا کے تابع فرمان تھے۔ وہ قرآن جس کو انہوں نے پڑھا تھا اور جو ان کے دل کی گہرائیوں میں اتر چکا تھا۔ اس پر ان کو ناز تھا، ان کی ایک ایک رگ میں ایمانی حرارت کی لہر دوڑ رہی تھی اور ان اقدار و معانی اور ان حقائق پر نازاں تھے جو اس ظاہری حسن و جمال سے کہیں بلند تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ایرانیوں کا یہ سحر آفریں تمدن ان کو متاثر نہ کر سکا اور اس کی فتنہ سامانیاں ان پر اپنا جادو نہ چلا سکیں۔ وہ اس حقیقت کو جانتے تھے کہ رستم چاہے جتنا بڑا سپہ سالار اور قائد و حکمران ہو مگر وہ آگ کی پوجا کرتا ہے وہ اپنے نفس کا غلام ہے ایسے ہی جیسے اپنے آقا (یزدجرد) کا غلام ہے اور اپنی عادات و خواہشات کا غلام ہے۔

مسئلہ صرف رستم یا کسی ایک جنرل گورنر کا نہیں تھا بلکہ تمام اہل فارس کا اپنے آقاؤں کے ساتھ بشمول یزدجرد

بھی معاملہ تھا، یزد جرد نہیں سمجھتا تھا کہ وہ اپنی خواہشات کا غلام ہے یا اپنے غلاموں کا غلام ہے کہ ان کے بغیر حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی نقل و حرکت انہیں کے کاندھوں پر ہوتی تھی، وہ کسی اعتبار سے بھی ایک آزاد انسان نہ تھا بلکہ وہ ایسا انسان تھا جس کو خواہشات نے غلام بنا رکھا تھا۔ آپ کو معلوم ہے کہ بادشاہ "یزد جرد" ان وڈیرے بادشاہوں میں سے ایک تھا، جنہوں نے دُنیا کے متمدن و ترقی یافتہ حصوں کو تقسیم کر لیا تھا۔ ایران کا "کسریٰ" روم کا "قیصر"

اسلامی فتوحات کے سلسلے میں تاریخ کا میرا تازہ مطالعہ یہ ہے کہ ایرانی بادشاہت، رومی بادشاہت سے بڑھی ہوئی تھی، ہندوستان کے متعدد صوبے ایرانیوں کے زیرِ فرمان تھے، ان میں سے بعض ایسے صوبے بھی تھے جو ہندوستان کے اندرونی علاقہ میں واقع تھے۔ لیکن اس صاحبِ شان و شوکت بادشاہ کے بارے میں تاریخ ہمیں بتاتی ہے۔ کہ جب وہ اپنے پایۂ تخت "مدائن" سے جان بچا کر بھاگا ہے اور پناہ گزینی و فرار کی حالت میں تھا، اس وقت بھی اپنے ساتھ ایک ہزار باورچی لیے ہوئے تھا۔ ایک ہزار باورچی، کیا آپ کو یقین آئے گا؟ اور ایک ہزار گویّے۔ اس کے ساتھ شکروں اور چیتوں کی دیکھ بھال کرنے والے ایک ہزار خدام بھی تھے۔ اس کے باوجود وہ نہایت رنج و غم کے ساتھ آہ سرد بھر کر کہتا تھا کہ افسوس میں اپنے ساتھ خدم و حشم اور کارکنوں کی تھوڑی تعداد لے سکا، اور لوگوں سے کہتا تھا کہ میں تعزیت اور دلجوئی کا مستحق ہوں، کیا ایسے شخص کو آزاد و خوش بخت کہا جا سکتا ہے؟ خود مختار و با ارادہ کہا جا سکتا ہے؟ مؤرخین نے لکھا ہے کہ اسی حالتِ فرار میں جب اس نے ایک بڑھیا عورت کے پناہ لی اور بڑھیا نے اس کو کھانا پیش کیا اور بھانپ کر کہ یہ کوئی بادشاہ یا معزز شخص ہے اظہارِ افسوس کیا اس نازک گھڑی میں بھی جبکہ جان کے لالے پڑے تھے یزد جرد نے کہا کہ مجلس رقص و سرود کے بغیر یہ کھانا میرے حلق سے اُتر نہیں سکتا۔ ان کی خواہشات کی بندگی و غلامی اور ناروا عادات کی پابندی اس درجہ کو پہنچ چکی تھی کہ وہ طاؤس و رباب کے بغیر کھانا نہیں کھا سکتے تھے۔

ہمیں یاد ہے کہ اہواز کا بادشاہ "الہرمزان" جب قید ہوا اور خلیفۃ المسلمین حضرت عمرؓ کی خدمت میں مدینہ منورہ لایا گیا تو اس وقت حضرت عمرؓ مسجد کے اندر اپنی ٹوپی کا تکیہ بنائے ہوئے سو رہے تھے۔ لوگوں کی آوازیں سُن کر بیدار ہو گئے اور ہرمزان و حضرت عمرؓ کی گفتگو شروع ہوئی۔ دورانِ گفتگو میں ہرمزان کو پیاس لگی اور اس نے پانی مانگا، ایک بھدے سے بڑے پیالے میں پانی لایا گیا۔ پیالہ کو دیکھ کر ہرمزان نے کہا کہ میں پیاسا مر جاؤں گا مگر اس جیسے بھدے پیالہ میں پانی نہیں پی سکتا۔ پھر دوسرے پیالہ میں پانی لایا گیا تو اس نے پانی پیا۔

اس موقع پر حضرت عمرؓ نے اپنے ساتھیوں کو نصیحت کی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تم کو اسلام کی نعمت عطا فرمائی، تم کو خدا نے اسلام کی وہ دولت عطا فرمائی جس نے تم کو ہزار بندگیوں سے نجات دی، تمہیں ان بتوں سے نجات دی جنہیں انسان خود بناتا ہے، اپنے ہاتھوں سے تراشتا ہے اور اسی کا غلام بن جاتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا ہے تعبدون ما تنحتون

کیا تم ان کو پوجتے ہو جنہیں خود تمہارے ہاتھوں نے بنایا ہے دوستو ہماری بہت سی ایسی عادتیں ہیں جن کو ہم خود اختیار کرتے ہیں اور پھر اس کے پابند و غلام بن جاتے ہیں، انسان اس وقت تک معزز نہیں ہو سکتا جب تک ایک طرز کے مکان میں نہ رہے، مخصوص معیار کا کپڑا نہ پہنے، تراش خراش و ٹیپ ٹاپ کا لحاظ نہ رکھے۔ اس کے پاس فلاں فلاں ساز و سامان، فرنیچر اور لباس ہونا چاہیے۔ ہم جس زمانہ کی بات کر رہے ہیں اس میں یہی سب تو ہو رہا تھا جو آج ہم کر رہے ہیں۔ ایرانی کسی بڑے آدمی کو جس کی ٹوپی ایک لاکھ سے کم کی ہو عار دلاتے تھے اور جو متوسط درجے کا ہوتا اس کی ٹوپی پچاس ہزار کی ہوتی، ان کے رؤسا کا صرف پٹکا پچاس ہزار کا ہوتا تھا۔ یہ عرف و معیار لوگوں کی ایجاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس کا پابند نہیں بنایا۔

یہ مغربی تہذیب و تمدن خود ساختہ رسم و رواج، بے معنی پابندیاں اور گڑھی ہوئی اصطلاحات جن کو اہل یورپ نے اور ان کے وفادار شاگردوں نے اپنے اوپر لاد لیا ہے۔ اس کا سرچشمہ کیا ہے؟ یہ پابندیاں کہاں سے آئیں جن کو ہم نے ضروری سمجھ لیا ہے۔ آج ہم مغربی تہذیب کے سامنے اس سراب، صحرا اور حباب دریا کے سامنے بلکہ صحیح معنوں میں اس لاشہ بیجان و متعفن کے سامنے جسے یورپ اپنے کاندھوں پہ لیے پھر رہا ہے اور سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ اسے کہاں ڈال دے۔ ہم اس کے سامنے سپر انداز ہو گئے اور فطرت کی اس سادگی سے دور و تہی دست ہو گئے جس میں عرب مشہور تھے اور جو امتِ مسلمہ کے پیشواؤں اور مربیوں نے مسلم قوم کو عطا کیا تھا، جیسے حضرت عمرؓ[1] بن الخطاب، حضرت ربعیؓ بن عامرؓ اپنی دور بینی، قوتِ ایمانی اور علمی گہرائی کی وجہ سے گو وہ بہت سے علم و تمدن کے میدانوں کی نگاہ میں تنگ نظر تھے، ان لوازمات کو جنہیں ایرانیوں نے اپنے اوپر مسلط کر لیا تھا طوق و سلاسل، پیروں کی بیڑیاں اور گلے کا پھندا سمجھ رہے تھے، وہ اس سے پوری طرح واقف نہ تھے مگر وہ جتنا جانتے تھے وہ بہت تھا اور شہادت کے لیے کافی تھا اور اسی اعتماد اور بنیاد پر انہوں نے کہا کہ اے ایرانیو! اللہ نے ہم کو بھیجا ہے کہ تم کو دنیا کی تنگی سے اس کی وسعت کی طرف نکالیں، تمہاری خود بینی تم کو دھوکے میں نہ ڈالے۔ ظاہری نمود و نمائش تمہیں فریب نہ دے، تم پنجرہ میں زندگی گزار رہے ہو۔ پنجرہ بہر حال پنجرہ ہے چاہے وہ سونے ہی کا کیوں نہ ہو اور خواہ وہ خوب صورت قیمتی شیشے کا بنا ہوا ہو اور وسعت میں کسی شہر کے برابر ہو لیکن ہے تو وہ پنجرہ ہی۔ جیل خانہ کیا ہے؟ وہ قید خانہ کیوں کہلاتا ہے؟ کیا وہ وسیع نہیں ہوتا؟ کیا اس میں کمرے نہیں ہوتے جو عام طور پر متوسط طبقہ کے لوگوں کو میسر نہیں ہوتے، اس سب کے باوجود وہ قید خانہ ہی کہلاتا ہے، ہم میں

---

[1] حضرت عمرؓ نے اپنے بعض عرب عاملوں کو جو عجمی ملکوں میں تھے لکھا تھا کہ تم عجمیوں کی خو بو اختیار کرنے سے بہت بچنا، تم دھوپ میں رہنے کی عادت رکھو کہ دھوپ عربوں کا حمام ہے، تم معد بن عدنان کا رہن سہن اپناؤ، موٹا جھوٹا کھاؤ اور موٹا جھوٹا پہنو۔
(رواہ البغوی عن عثمان النہدی)

سے کوئی شخص جیل میں رہنا پسند نہیں کرتا چاہے وہ لطف و راحت کے کتنے ہی سامان مہیا ہوں اور خواہ وہ کتنا ہی کشادہ اور وسیع ہو، اس میں پارک و چمن ہو، جھیل و تالاب ہوں اور میوزیم و تفریح گاہیں ہوں۔

دوستو! یہ صاحب فہم و ذکا اور باشعور عرب مسلمان جو احساسِ کمتری کا شکار نہیں تھا، جو شکست خوردگی اور خود اعتمادی کے فقدان سے بالکل محفوظ تھا، وہ مردِ مومن اگر اس وقت زندہ ہوتا تو مغربی تہذیب کی تقلید اور عیش و تنعم کی اس زندگی کو جو عرب، اور بہت سے اسلامی ملکوں کے مسلمان گزار رہے ہیں اسی نظر سے دیکھتا جس نظر سے رومی و ایرانی تمدن کو دیکھا تھا اور ان پر ایسے ماتم کرتا جیسے اس نے رومیوں اور ایرانیوں پر ماتم کیا تھا اور فکر و آرزو کرتا کہ ان کو دنیا کی تنگی سے اس کی وسعت کی طرف لائے جیسے اس نے رومیوں اور ایرانیوں کے لیے تمنا کی تھی۔

یہ عرب مسلمان آزادی کی وہ پُر لطف زندگی گزار رہا تھا جو اسلام نے عطا کی تھی اور جس نے اسے تنگ و محدود اور گھٹتی ہوئی دنیا سے نکالا تھا۔ پیٹ اور مادہ پرستی کی دنیا، اغراض و خواہشات کی دنیا، بندگی و بندہ سازی کی دنیا، اسلام نے ان کو مٹنے والی دنیا، فانی، افکار و امراض اور غم و آلام کی بے لطف دنیا سے نکال کر وسیع و لا محدود دنیا میں پہنچا دیا تھا وہ تھی ایمان و یقین کی دنیا، قلب و روح کی دنیا، قربانی و دستگیری کی دنیا، عدل و مساوات کی دنیا، رحم و کرم کی دنیا جس میں تکدر و بے لطفی نہیں، جس میں خوف و اندیشہ نہیں، رنج و غم نہیں۔

حضرت ربعیؓ بن عامر کو دنیا کی یہ وسعت اور اس کا وہ لطف و مزہ حاصل تھا جس سے رومی و ایرانی دونوں محروم تھے۔ اور ان روم و ایران کا تمدن اور ان کی زندگی ایک تنگ پنجرہ معلوم ہو رہی تھی جس میں ایک آزاد حوصلہ مند انسان اور صاحب عقل و شعور مومن کا دم گھٹنے لگے جیسے مچھلی کہ اگر اس کو پانی سے نکال دیا جائے تو چاہے کتنے ہی گداز و ملائم بستر یا سونے کی شاندار ڈبیا میں رکھ دیا جائے مگر اس کا دم گھٹنے لگے گا۔

حضرات یہ تو ایک بادیہ نشین مسلمان کا نقطہ نظر تھا جس نے تپتی ہوئی ریت اور جھلستے ہوئے صحرا کے سوا کچھ نہیں دیکھا تھا مگر ہم پڑھے لکھے اور مہذب و شائستہ لوگوں کا نقطۂ نظر کیا ہے؟

پروفیسرو، یونیورسٹیوں کے لیکچرارو، تعلیم و تربیت کے علمبردارو، صحافیو اور یورپ کا دورہ کرنے والو، بتاؤ کہ ہم اس موجودہ، بے روح اور کھوکھلی تہذیب کو کس نظر سے دیکھتے ہیں؟ ہمارے نقطۂ نظر اور اس صحرانشین مردِ مومن کے نقطہ نظر میں کوئی مناسبت ہے؟ جو دنیا سے اتنا واقف نہ تھا جتنا ہم واقف ہیں۔ جس کی تاریخ پر اتنی گہری نظر نہ تھی جیسی ہماری ہے وہ قوموں کے حالات و تجربات سے اتنا واقف نہیں تھا جتنا ہم واقف ہیں۔ اس نے نہ فلسفہ پڑھا تھا اور نہ ہماری

آپ کی طرح اس پر گہری نظر رکھتا تھا۔ اس کا راز یہ ہے کہ اس کے دل میں حضورؐ نے اور دینِ اسلام نے اعتماد و خود داری، ایمان و جواں مردی کی دولت بھر دی تھی، انہیں دُنیا کی بے بضاعتی کا یقین اور حقیقت شناسی کا جوہر عطا کیا تھا۔ یہ مردِ مومن اس وقت کی موجودہ دُنیا کے سپہ سالارِ اعظم "رستم" جس کے نام سے دِل لرزتے تھے کسریٰ کے بعد اسی کا جاہ و جلال تھا، ایران کے تمام سپہ سالاروں اور حکام پر اس کا سکہ چل رہا تھا، اس سے وہ بوریہ نشین اور صحرانورد مومن، جرأت و بے باکی اور حقارت و استخفاف سے بھرپور لہجہ میں یہ کہہ سکتا تھا کہ رستم مجھے تم پر ترس آتا ہے، تمہاری حالتِ زار سے میرا دِل بھر آتا ہے، تم بے معنی رسوم و رواج کے پھندوں میں جکڑے ہوئے ہو، تم دُنیا کی تنگی میں ہو اور ہم عرب جن کے جسم نیم برہنہ، تلوار کی نیامیں بوسیدہ و کرم خوردہ کپڑے پھٹے ہوئے، پیوند زدہ اور جوتے ٹوٹے ہوئے ہیں۔ ان سب کے باوجود ہم جنت میں ہیں اور عیش کی زندگی گزار رہے ہیں اور تم عذابِ جہنم کی زندگی گزار رہے ہو۔

بھائیو! آخر کس قوت و طاقت، کس جذبہ و حوصلہ نے ان سے یہ جرأت مندانہ اور طاقتور بات کہلوائی، وہ کیا جوہر تھا جس نے ان سے یہ جھنجھوڑنے اور لرزہ بر اندام کر دینے والا جملہ کہلوایا۔ یہ ان کی ایمانی طاقت، ان کی خود اعتمادی اور اس پیغام و تعلیم کا کرشمہ تھا جس سے خدا نے ان کو نوازا تھا۔

دوستو! ہم کتنے ایسے لوگ ہیں۔ خدا را آپ بتائیں کہ ہماری یونیورسٹیوں، سکولوں، دفتروں، شعر و ادب اور صحافت کے میدان میں کتنے ایسے لوگ ہیں جو کسی یورپین یا امریکن کو اس لب و لہجہ میں مخاطب کر سکیں جو ہمارے ہی خوشہ چین ہیں، ہم ہی ان کو پال رہے ہیں۔ اگر یہ پٹرول نہ ہوتا جو آپ کے جزیرہ میں اُبل رہا ہے تو کسی امریکن و یورپین کو یہ قوت و غلبہ ہرگز نہ حاصل ہوتا۔ وہ یورپین جن کے ایمان و اخلاق اور خود شناسی کا دیوالیہ ہو چکا ہے جو اس وقت اخلاقی جذام میں مبتلا ہے اور جس کی وجہ سے اس کی تہذیب و ثقافت، تعفن و بدبو کا شکار ہے اور اس کی سمجھ میں اس کا کوئی علاج نہیں آ رہا ہے اور نہ وہ اس پر کوئی کنٹرول کر پا رہا ہے وہ ایک ہوشیار خود غرض اور نفع خور تاجر ہے وہ مدتوں پہلے اپنی گردن سے عیسائیت کا قلادہ اُتار چکا ہے حسنِ اخلاق، انبیاء کرام اور آسمانی مذاہب سے تعلق کا آخری دھاگہ بھی ٹوٹ چکا ہے۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ اس کے باوجود ہم اس کو اکرام و اعزاز اور تقدس و معبودیت کی نظر سے دیکھتے ہیں، اور خود کو، اپنی تہذیب کو اخلاقی قدروں اور اپنے ذہن کو، ان کی تہذیب و قدروں کے سامنے حقیر سمجھتے ہیں، اور اس کے سامنے اس طرح بے حقیقت ہو جاتے ہیں جیسے سورج کے سامنے شبنم پگھل جاتی ہے یا آگ کی لو کے سامنے موم پگھل جاتا ہے۔

یہ عرب مسلمان جس نے اپنے جوہر کو پہچانا، اپنے پیغام کی قیمت و اہمیت کو پہچانا وہ "رستم" سے کہتا ہے کہ خدا نے ہم

کو بھیجا ہے کہ اس کے بندوں کو دنیا کی تنگی سے اس کی وسعت کی طرف نکالیں۔ ان کا یہ جملہ ایسا قیمتی و باوزن ہے کہ پہاڑ بھی اس کو نہیں سہار سکتے اور سمندر پر رکھ دیا جائے تو وہ دھواں دھواں ہو جائے تو دل و ضمیر پر کیا گزرے گی۔ دعوتِ اسلامی کے دورِ اوّل میں ایک باشعور مردِ مومن اپنے عہد کی بے جان تہذیبوں کی طرف جس لفظ نظر سے دیکھ رہا تھا آج بھی ایک باشعور صاحبِ ایمان شخص کو اپنے عہد کی بے حقیقت اور حقیر تہذیبوں کو اسی نظر سے دیکھنا چاہیے۔

دوستو! آج ہم آپ سے بس اتنا ہی کہنا چاہتے ہیں اور اس جگمگاتے اور خوب صورت شہر میں جو اچانک صحرا سے نکل کر گل بداماں ہو گیا اور ترقی و عروج کو پہنچ گیا۔ میں اس مردِ مومن کا یہ جملہ بطور تحفہ و امانت پیش کرتا ہوں۔ یہ صدا میں نے یہاں لگائی ہے مگر میری آرزو و تمنا یہ ہے کہ یہ آواز دنیا کے کونے کونے میں گونج جائے۔

عربوں کو اور مشرق و مغرب میں جہاں کہیں بھی مسلمان رہتے ہیں، انہیں اس موجودہ بے جان اور کھوکھلی تہذیب کو جو ہمارے گرد و پیش چھائی ہوئی ہے اسی مومنانہ اور خود دارانہ نظر سے دیکھنا چاہیے۔ ہم کوئی طفیلی اور مجہول النسب لوگ نہیں ہیں۔ ہم اچانک زمین سے نہیں نکل آئے ہیں کہ ہمارا کوئی حسب نسب اور جڑ بنیاد نہ ہو، ہم ایسے نہیں کہ ہمارا کوئی ذخیرہ و سرمایہ نہ ہو، ہماری کوئی تہذیب و تاریخ نہ ہو، نہ ہمارے اسلاف ہوں نہ شرف و منزلت، نہیں ایسا ہرگز نہیں، دوستو! ہم ہر فضل و کمال سے مالا مال بلکہ نہال ہیں۔ ہم ساری دنیا کے اتالیق ہیں۔ قوموں کے رہبر و رہنما ہیں، ہم وہ ہیں کہ ؎

ہے حقیقت جس کے دیں کی احتساب کائنات

مگر دوستو! اس وقت دل کھول کر یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ ؎

متاعِ دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کافر ادا کا غمزۂ خونریز ہے ساقی

ہم پر مغربی تہذیب کا ایسا جادو چلا ہے کہ ہم استاد سے شاگرد بن گئے ہیں۔ کل ہم ستاروں کو نشانِ راہ بتاتے تھے اور آج ہم خود ہی یورپ کی بتائی ہوئی راہ پر چل رہے ہیں۔ ہماری باگ ڈور دوسروں کے ہاتھ میں ہے دوستو! یہ کتنی دل خراش حقیقت ہے کہ پردہ کے پیچھے سے ڈور ہلائی جا رہی ہے اور ہم مداری کے بندر کا پارٹ ادا کر رہے ہیں۔

خدایا ہمارے مسلمان عرب مؤرخوں کی قبر کو نور سے بھر دے، جنہوں نے ہمارے لیے اس جاوداں جملے کو محفوظ کر دیا یہ جملہ ہمارے اسلاف کی بلند ہمتی اور قوتِ ایمانی کی سچی تصویر پیش کرتا ہے جنہیں خدا نے اسلامی پیغام سے نوازا تھا اور انہیں اس پر فخر و ناز تھا اور وہ اسے ہر شے سے افضل و برتر سمجھتے تھے۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ جو چیز اس سرچشمہ سے نہیں نکلتی یا اس سے اس کا رشتہ و تعلق نہیں اس کی نہ کوئی قدر و قیمت ہے نہ اس کو ثبات و دوام ہے۔

دوستو اور بھائیو! موجودہ تہذیبوں کے مقابلے میں اور اس چیلنج کے مقابلے میں جو اس تہذیب اور موجودہ فلسفوں کی طرف سے ہوتا رہتا ہے، ہمارا بھی وہی موقف ہونا چاہیے جو اس مردِ مومن کا تھا۔ ہمارا موقف ایک بلند قامت انسان اور باعزت غیور اور خود دار شخص کی طرح ہونا چاہیے جس کو اپنی شخصیت اور اپنے پیغام پر ناز ہو جو اپنی عقل سوجھ بوجھ اور خدا داد صلاحیتوں سے کام لیتا ہو، جو اس تہذیب کے تسلیم کرنے

اور اس کے رد کرنے میں آزاد و مختار ہو، اس کی مفید و بے ضرر چیزوں کو (جو اس کے مقاصد اور قدروں سے میل کھاتی ہوں اس کے منافی نہ ہوں بلکہ مزید قوت و طاقت پہنچاتی ہوں نہ کہ اس کے ڈھانچہ کو کمزور و کھوکھلا کرتی ہوں) اپنائے اور اس کی مضر چیزوں سے بے تعلق رہے، ان کے مقابلہ میں ہمارا موقف ایک بالشتیہ کا سا نہ ہونا چاہیے جو خود اعتمادی کی دولت کھو چکا ہو، اور دولت ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھا ہو ہر قوت و طاقت کے سامنے سپر انداز ہو جاتا ہو، اسے زندگی سے عشق اور موت سے نفرت ہو، خطر پسندی اور مہم جوئی اور حوصلہ مندی کی صلاحیتوں سے محروم ہو، اور حقیقت پسندی جدت آفرینی اور قیادت و پیشوائی کے جوہر سے خالی ہو، ایسا شخص موجودہ بے روح تہذیب کو اس طرح للچائی ہوئی نگاہ سے دیکھتا ہے، جیسے کوئی چھوٹا بچہ دامنِ کوہ میں کھڑا اس کی چوٹی کو دیکھ رہا ہو اور تمنا کرے کہ کاش وہ اس پر چڑھ سکتا۔

میں اپنی گفتگو کا سلسلہ شاعرِ اسلام ڈاکٹر محمد اقبال کے شعر پر ختم کرتا ہوں جس میں انہوں نے اس پڑھے لکھے مسلم نوجوان کو مخاطب کیا ہے جو مغربی تہذیب سے مسحور ہو کر اپنی شخصیت کھو بیٹھا ہے اور اس کی وسعت و گہرائی اور اسرار و رموز اور خوابیدہ صلاحیتوں سے ناواقف ہو کر مادیت کا دلدادہ و شیدائی بن گیا ہے۔ اور موت کے خوف میں زندگی گزار رہا ہے۔ ذرا غور سے سنیئے اقبال کیا کہہ رہے ہیں۔

بینی جہاں را خود را نہ بینی
تا چند ناداں غافل نشینی
نورِ قدیمی شب را بر افروز
دستِ کلیمی در آستینی
بیروں قدم نہ از دورِ آفاق
تو پیش ازینی تو بیش ازینی
از مرگ ترسی اے زندہ جاوید
مرگ است صیدے تو در کمینی
جانے کہ بخشند دیگر نگیرند
آدم بمیرد از بے یقینی

بقیہ: خطبہ جمعہ

کسب فیض کیا جائے تو دنیا، قبر اور آخرت میں کام آنے والے اور فلاح و کامرانی کے ضامن ہو سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو علم صحیح کے حصول کی کوشش میں لگائے اور علم کی نعمتوں سے بہرہ ور ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ارباب رشیدیہ کو صدمہ

ملک کی معروف دینی درسگاہ جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے شیخ الحدیث اور ناظم مولانا محمد عبداللہ اور مولانا حبیب اللہ کے خواہرزادہ دیار غیر انگلستان میں انتقال کر گیا۔ مرحوم غالباً پانچ بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا۔ اور ناظم جامعہ مولانا صاحب کا لے پالک بیٹا۔ ہفتہ رفتہ جامعہ کے جلسہ میں حاضری کے موقعہ پر یہ خبر سامنے آئی، پورا ماحول سوگوار تھا اور اسی سوگوار کے عالم میں مقررین نے تقریریں کیں، اگلے دن نعش لاہور اور پھر ساہیوال پہنچی جہاں مرحوم کی آخری رسومات ادا ہوئیں، ادارہ کے سرپرست محترم مولانا عبیداللہ انور کو راقم نے واپسی پر اطلاع دی، تو از حد رنجیدہ خاطر ہوئے، جمعرات کی مجلس ذکر میں دعا فرمائی اور ارباب جامعہ کو تعزیتی پیغام بھجوایا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی رحمتوں سے سرفراز فرمائے اور پسماندگان متعلقین کو اجر جزیل سے نوازے

دیوبند کی مسجدیں اور مقاماتِ مقدسہ

مولانا ظفر احمد قادری خطیب جامع مسجد واہگہ بارڈر لاہور، پاکستان

الحمد للہ رب العالمین — بڑی مدتوں اور تمناؤں کے بعد آخر وہ وقت آہی گیا کہ یہ ناچیز بندہ ظفر دیوبند اور اسکے مقدس مقامات کی زیارت کے لئے روانہ ہوا، کاغذات مکمل تھے، عید الفطر کے تیسرے دن نماز ظہر با جماعت ادا کر کے واہگہ بارڈر سے سرحد پار کی اور دیوبند کے لئے روانہ ہو گیا، میرے لئے یہ علاقہ بالکل اجنبی تھا عصر کے وقت امرتسر پہنچا، اور مسجد دریافت کی بھلا سکھوں کے شہر میں مسجد کہاں، تلاش بسیار کے بعد ایک رکشہ والا آنے جانے کے تین روپے طے کر کے مسجد خیر الدین لے گیا، وہاں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کے ایک خادم یو۔ پی۔ کے علاقہ کے امام اور خطیب صاحب سے ملاقات ہوئی، بڑے پرتپاک طریق سے ملے نماز عصر ادا کی، الحمد للہ بڑی شاہی مسجد ہے صحن میں تالاب اور ٹونٹیاں بھی ہیں جامعہ اشرفیہ لاہور کی طرح خوبصورت اور اتنی وسیع و عریض ہے بعد از نماز پھر اسٹیشن پر آئے اور ہاوڑہ ایکسپریس کا ٹکٹ لیکر سہارنپور کے لئے روانہ ہوئے، یہ گاڑی سرہند شریف سے ہوتے ہوئے ایک بجے رات کے سہارنپور پہنچی رکشا لیکر مظاہر العلوم پہنچے ایک چھوٹی مسجد میں نماز عشاء ادا کی اور صبح ہوتے ہی مظاہر العلوم کی مسجد میں حاضر ہوئے، آج شوال کی چار تاریخ ہے،،

حضرت قطب وقت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی مہمانوں کی وجہ سے عید کے بعد بھی اپنے معتکف میں ہی تشریف فرما تھے اذان ہوئی صبح اول وقت نماز فجر ادا ہوئی تو حضرت شیخ الحدیث سے مصافحہ ہوا، شیخ نے خود اعلان فرمایا کہ کل سے مدرسہ کھل جائیگا میں آج کچے گھر جا رہا ہوں جس کسی نے قیام کرنا ہو اپنا انتظام خود کرے پھر مصافحہ ہوا، اسکے بعد چند احباب کی وجہ سے قطب وقت حضرت شیخ کی بارگاہ عالی تک رسائی ہوئی حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ شعبان میں دو ہفتہ کے لئے مدینہ عالیہ سے اپنے ایک عزیز خلیفہ مجاز اور عالم دین کی دعوت پر لندن تشریف لے گئے تھے داعی صاحب کا نام جناب مولانا محمد یوسف صاحب متالا ہے انہوں نے ایک دار العلوم لندن میں قائم کیا ہے، حضرت مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہی مدظلہ جو دیوبند کے مفتی اعظم ہیں ساتھ تھے وہاں کے قیام میں جناب یوسف متالا نے فرمائش کی کہ حضرت مفتی صاحب آپ حضرت شیخ کے وصف میں ایک نظم کہیں، حضرت مفتی صاحب نے فارسی میں ایک نظم تقریباً ۱۷۰ اشعار میں پوری کی جو مفتی صاحب کے ایک شاگرد مفتی محمد فاروق میرٹھی کی شرح کے ساتھ دو ہفتہ کے قیام کے دوران ہی وصف شیخ کے نام سے ایک کتاب ۳۸۴ صفحے کی تیار ہو گئی جس کی آخری نظم پہلے خدام الدین میں نذر عقیدت کے عنوان سے شائع ہو گئی ہے، حضرت شیخ نو بجے دن کو گھر تشریف لے گئے، یہ ناکارہ ظفر دیوبند کو روانہ ہو گیا،

حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب مدظلہم سے ایک سفارشی خط لے گیا تھا، اسی کی برکت سے قیام "مدنی منزل" پر ہوا، اب یہاں سے دار العلوم دیوبند اور مقامات مقدسہ کی زیارت کی تیاری کی، بندہ دن کے تین بجے دیوبند پہنچا حضرت مولانا سید اسعد مدنی مدظلہ العالی ایک گھنٹہ پہلے گجرات تشریف لے جا چکے تھے ملاقات نہ ہو سکی، خدام الدین شمارہ ۲۶، ۹ / مارچ ۱۹۷۹ء کے ٹائٹل پر لکھا تھا کہ۔

حضرت مدنی اور اتباعِ سنت

آگے چل کر یہ تحریر تھا کہ دنیا کو حیرت ہوگی کہ دار العلوم کے چمن میں کیکر کا درخت لگوایا (حضرت مدنیؒ نے)، لوگوں کو خیال ہوا کہ اس درخت سے کیا فائدہ نہ اس میں پھول پھل نہ اس میں خوشنمائی نہ یہ زینت چمن پھر کیوں لگوایا، تحقیق سے پتہ چلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے کیکر کے نیچے بیعت لی تھی جو بیعت رضوان کے نام سے زبان زد خاص و عام ہے، یہ درخت اس کی یادگار ہے، دیوبند جا کر معلوم ہوا کہ یہ وہ درخت ہے اور اسکے بیج وہاں سے ہی حضرت مدنیؒ لائے تھے، اب وہ درخت کافی بڑا ہے

مدنی مسجد اجراب خوبصورت اور نئی بنوائی

گئی ہے یہ چھوٹی مسجد تھی اور حضرت مدنیؒ کے
متوسلین کی تنگی کی وجہ سے اب بڑی کی گئی ہے
یہاں پر اب بھی علماء حضرات کا اور مہمانوں
کا تانتا بندھا ہوا ہے حضرت مولانا ارشد مدنی
اسی طرح خوش خلقی اور روایتی مہمان نوازی
میں مصروف ہیں، چھوٹے صاحبزادے اسجد
مدنی بھی ملے، آج بھی بحمداللہ وہی چمڑے کے
تکیے جن میں کھجور کی چھال بھری ہوئی ہے اور
وہی گول دسترخوان مہمانوں کے لئے مدنی منزل
کی زینت ہیں، یہ چیز آنے والوں کو بہت متاثر
کرتی ہے۔

شیخ الہندؒ والی مسجد

پھر حضرت مولانا
عبدالحق صاحب
مدنی جو حضرت مولانا حامد میاں صاحب کے
خسر تھے ان کے گھر رشید میاں سے ملنے جانا
ہوا تو ان کے گھر کے پاس ہی حضرت شیخ الہندؒ
کا گھر اور حضرت شیخ الہندؒ کی مسجد کی زیارت کی
رشید میاں کے ماموں حضرات نے بہت شفقت
فرمائی خوب مہمان نوازی کر کے مسرور کیا
جب اس مسجد میں نماز عصر ادا کر کے باہر آئے
جناب اشرف عثمانی صاحب کو ساتھ لیکر
زیارات کے لئے نکلے تو سامنے شیخ الاسلام
مولانا العلامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا قلعہ نما گھر
نظر آیا اور یاد کا طوفان امڈ آیا۔ شرفا کے
مکان دیکھنے کا پہلا اتفاق تھا بڑی حسرت سے
وہاں سے گذرے آگے مسجد قاضی صاحب والی
ہے۔

مسجد قاضی صاحب والی

یہ وہ مسجد ہے
جس میں حضرت
سید احمد شہید بریلویؒ نے قیام فرمایا تھا اس
کو محلہ دیوان کہتے ہیں وہاں سنا کہ اس محلہ
کے پانچ حضرات حضرت سید صاحب سے
بیعت ہوئے جہاد میں گئے اور پانچوں شہید
ہو گئے، کچھ آگے چل کر۔

مسجد طیب

مسجد طیب آتی
ہے جس میں پانچوں
وقت کی نماز حضرت قاری محمد طیب صاحب
مہتمم دارالعلوم ادا کرتے ہیں،،

جامع مسجد دیوبند شہر

یہ شہر کی بڑی
مسجد ہے
بڑی اونچی کرسی پر خوبصورت پتھروں کی
بنی ہوئی ہے۔

دارالعلوم کی جامع مسجد

یہ مسجد
دارالعلوم
کے صحن میں ہے بڑی پاکیزہ بلند خوبصورت
مسجد ہے اکابر جمعہ کی نماز یہاں پڑھتے
ہیں باقی نمازیں اپنی مساجد میں ادا کرتے
ہیں۔

چھتہ والی مسجد

یہ وہ مسجد قدیمی
ہے جہاں سے دارالعلوم
شروع ہوا تھا آج اس مسجد کے داہنی طرف
والے حجرہ مبارک جو حضرت مولانا محمد قاسم
نانوتویؒ کی خلوت گاہ تھی اس حجرہ شریفہ میں
مفتی اعظم مفتی محمود الحسن گنگوہی کا قیام
رہا اور مسجد کے بائیں طرف خلوت خانہ
خاص حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نانوتوی
کا ہے۔ جس انار کے درخت کے نیچے ملا محمود
نامی استاذ محترم نے اپنے شاگرد محمودؒ جو آخر
میں شیخ الہند بنے، کو پہلا سبق پڑھا کر دارالعلوم
کی رسم افتتاح ادا فرمائی تھی آج بھی وہ انار
کا درخت اسی طرح سرسبز ہے انار لگے ہوئے
تھے، یہ اکابر کی کرامت ہے اللہ تعالیٰ نے
آج تک وہ آثار باقی رکھے ہیں،،

مسجد حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ

دوسرے دن
وہاں جانا ہوا
یہ محلہ خانقاہ کہلاتا ہے جہاں پر سید ازہر شاہ
صاحب قیصر اور سید انظر شاہ صاحب
رہتے ہیں یہ خوبصورت مکان تو حضرت علامہؒ
کے وقت تیار ہو گیا تھا اور سات سال حضرت
علامہ کشمیریؒ نے اس میں قیام فرمایا تھا،
گھر کے سامنے مسجد ہے یہ مسجد عالمگیری کہلاتی
ہے کسی وقت عالمگیر نے بنوائی تھی،
یہ خوبصورت مسجد تو حضرت علامہ کے وقت
سے لیکر آجتک علماء و فضلاء کا مرکز رہی ہے
حضرت مولانا محمد ازہر شاہ صاحب قیصر نے وہ
خدمت کی اور شفقت فرمائی کہ ہمیشہ یاد رہیگی
ہر طرح کی آسانی مہیا کی، راہنمائی کی ضرورت
ہوئی تو اپنا بیٹا نسیم شاہ ساتھ کر دیا،،
اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ ان حضرات کی خدمت
میں حاضری کی توفیق دے اور یہ حضرات
ہمیشہ ہمیشہ اکرام فرماتے رہیں، سب
مساجد میں دو دو رکعت نماز پڑھنی بھی
نصیب ہوئی اور اکابر کے لئے ایصال
ثواب کی بھی خوب توفیق ہوئی،،

دارالعلوم کا نودرہ

حضرت قاری
محمد طیب صاحب
تحریر فرماتے ہیں کہ جب دارالعلوم کی بنیاد
کی تیاری ہوئی اور دارالعلوم کی جگہ بھی
الہامی ہے جو باشارات غیب پہلے سے
منتخب تھی۔ اور آخر کار اسی جگہ پر ان اہل اللہ
کا قرعہ فال پڑا اور اس میں دارالعلوم کی
بنیاد رکھی گئی، زمین مل جانے کے بعد حضرت
مولانا رفیع الدینؒ نے بنیاد کھدوائی کہ ان کو

پھر آجائے تو رات خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اپنے ہاتھ مبارک میں لاٹھی ہے ارشاد فرمایا شمال کی جانب جو بنیاد کھودی گئی ہے اس سے صحن مدرسہ چھوٹا رہ جائے گا، اور آپ نے لاٹھی سے لائن لگادی کہ یہاں بنیاد کھودی جائے، اس ناچیز بندہ ظفر نے اس لائن والی جگہ کی زیارت کی واقعی وہاں جاکر سکون حاصل ہوا اور دیوار کے ساتھ سیمنٹ کی ایک لائن سی ہے تفصیل کے لئے رسالہ الرشید کا دارالعلوم نمبر دیکھیں

حضرت منشی شاہ صاحبؒ کا ذکرِ خیر

سب اکابر موجود تھے لیکن بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ پہلی اینٹ رکھنے کے لئے کوئی آگے نہیں بڑھتا تھا۔ بالآخر حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ محدث سہارنپوری سے رکھوائی اور ان کے ساتھ حضرت نانوتویؒ نے پھر حضرت منشی شاہ صاحب کا ہاتھ پکڑ کر حضرت نانوتویؒ نے فرمایا یہ وہ شخص ہے جنہیں کبھی صغیرہ گناہ کا تصور بھی نہیں آیا، پھر دیگر اکابر نے اینٹیں رکھیں اور بنیاد رکھی ہوئی (تفصیل کے لئے حوالہ بالا دیکھیں)

دارالعلوم کا کنواں

احاطہ مولسری اور نودرہ کے سامنے

بڑے گیٹ سے داخل ہوا تو داہنے ہاتھ کنواں ہے بہت پرانا کنواں ہے ابھی تک جاری ہے اس میں ایک نل لگا ہوا ہے اور چند گلاس رکھے ہوئے ہیں یہ وہ کنواں ہے جس کے بارے میں حضرت شاہ رفیع الدین رحؒ نے خواب دیکھا کہ یہ کنواں دودھ سے بھر گیا ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود دودھ تقسیم فرما رہے ہیں، کوئی گھڑا بھر کر لے جا رہا ہے کوئی لوٹا اور کوئی پیالہ کسی کے پاس برتن نہیں ہے تو وہ چلو بھر کر پی رہا ہے، اس خواب کے بعد جو مراقبہ کیا تو معلوم ہوا دودھ سے مراد علم ہے اور قاسم العلوم یعنی تقسیم کنندہ دودھ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یہ آ آ کر لے جانے والے مدرسہ کے طلباء ہیں جو لے لے کر ملکوں میں جا رہے ہیں۔ وہاں پانی پیا اور آگے بڑھے تو ایک جگہ اسی صحن میں ہے زمین پر یعنی فرش پر ایک چارپائی کا نشان بنا ہوا ہے، یہ وہ جگہ ہے جس کے بارے میں ولی کامل قطب زمان حضرت مولانا یعقوبؒ صاحب نانوتویؒ نے فرمایا اگر اس جگہ کسی کا جنازہ پڑھا جائے گا تو وہ مغفور ہوگا، حضرت قاری صاحب نے اسی جگہ یہ چارپائی کا نشان بنوا دیا ہے وہاں بیٹھے رہے اور پھر آگے روانہ ہو کر آج پھر مزارات کی زیارت کے لئے اکیلے جانے کا پروگرام بنایا تاکہ اچھی طرح خوب بیٹھ کر کچھ پڑھا جا سکے اور تسلی و تسکین قلب حاصل ہو دارالعلوم کے بہت بڑے بڑے دروازے ہیں جو اکابر کے نام سے مشہور ہیں، مدنی دروازہ سے نکل کر شمال مغرب کی طرف مزاراتؒ پر حاضر ہونا ہے،

مزارات

اللہ جانتا ہے کہ علم و تقویٰ کے پہاڑ، جنت رسول کے سچے عاشق، سچے نائب رسول اس شان سے ایک جگہ آرام فرما ہیں۔ جنت البقیع، جنت المعلیٰ اور بیت المقدس میں قبور انبیاء کے بعد میرے علم میں یہ مبارک جگہ ہے جس پر خاص رحمتوں کا نزول ہے، ظاہر طور پر بھی ٹھنڈا سایہ ہے عجیب و غریب درختوں اور پھول دار جھاڑیوں نے عجیب رونق پیدا کر رکھی ہے جبکہ پھول وغیرہ قبروں پر چڑھانے والی بدعت قطعاً نہیں، البتہ قدرتی طور پر گلابی اور دوسرے پھول ان قبروں پر برستے ہیں ایک خادم دن بھر جھاڑو سے صاف کرتا ہوا نظر آیا،

مدنی دروازہ سے گزرتے ہوئے پہلے شاہ رفیع الدینؒ کا مزار آیا، پھر حضرت نانوتویؒ کے ابا جی کا مزار ہے، یاد رکھیں مزار سے مراد بڑی نفیس قبریں نہیں بلکہ زمین کے فرش کے برابر، بعض زمین سے ایک مٹھی کے برابر کچی قبریں ہیں، پھر ایک چھوٹی سی سڑک جو قبرستان کو جاتی ہے دارالعلوم سے تھوڑی دور جاکر حضرت نانوتویؒ کی ایک قبر ہے پھر ان کے پاؤں میں حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے مزار ہیں، دارالعلوم کے مہمانوں اور طالب علموں کی بھیڑ مزارات پر لگی رہتی ہے کوئی آ رہا ہے کوئی جا رہا ہے ساتھ ہی حضرت قاری صاحب کے ابا جی حضرت مولانا محمد احمدؒ کی قبر ہے، سرہانے کی طرف ذرا ہٹ کر مفتی اعظم مولانا مفتی عزیز الرحمٰنؒ کی قبر ہے اسی طرح سب اکابر کے ایک ہی جگہ مزاراتؒ ہیں، اتنے پر نور کہ جیسا رات کے وقت بھی سورج نکلا ہوا ہو، پھر ایک طرف جاکر حضرت حاجی عابد حسین دیوبندی کا مزار ہے جو بانی دارالعلوم کے ساتھی ہیں سب پر خوب فاتحہ پڑھی اور زیارت سے چشم روشن اور دل شاد کیا،

حضرت علامہ کشمیریؒ صاحب کا مزار

حضرت علامہ کشمیریؒ صاحب کا مزار کچھ دور ان کے اپنے خاندان کے ہمراہ ہے تقریباً آدھا پونا میل دور ہے یہ مزار دیوبند کی عیدگاہ

کے ساتھ ہے عیدگاہ بھی خوب ہے آموں کے درختوں کا باغ ہے یہ سارے شہر کی عیدگاہ ہے اسکے بائیں طرف ایک خطہ زمین کا ہے چار دیواری کے اندر حضرت علامہ انور شاہ صاحب اور انکے خاندان والے آرام فرما ہیں وہاں جاکر فاتحہ پڑھی، یاد رہے پچھلے سالوں میں جمہوریہ ہند کے صدر جناب فخر الدین علی احمد صاحب جب دیوبند گئے دار العلوم دیکھنے کے بعد پیدل جاکر سب مزارات پر حاضری بھی دی، خدائے پاک نے اس ناچیز کی یہ پرانی آرزو اپنے فضل وکرم سے پوری فرمائی۔ بعض اکابر نے ارشاد فرمایا تھا کہ اپنے تاثرات ضرور لکھنا اسلئے یہ چند بے ربط جملے عرض ہیں، مضمون کی طوالت کے خوف سے بس اسی پر اکتفا کرتا ہوں،

مولانا محمد تقی امینی
ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی
علی گڑھ

خطاب عید الاضحیٰ

مرسلہ
مولانا ابوالمظفر ظفر احمد قادری
خطیب واہگہ بارڈر

یہ خطاب عید الاضحیٰ کے دن مُسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں پڑھا گیا۔

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ امابعد۔

حضرات! آج ہماری دوسری عید ہے، پہلی عید کی طرح یہ عید بھی دنیا کے تہواروں اور میلوں سے مختلف ہے، اس میں ایک نہایت اہم عہدنامہ پر دستخط کی تجدید و یاد دہانی ہوتی ہے جس پر دستخط کے بغیر کوئی شخص مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں ہے اس عید میں جس عہدنامہ پر دستخط و یاد دہانی ہوتی ہے وہ اصول و صداقت کے مقابلہ میں آزمائش، اس کے جذبات و خواہشات کی قربانی کا عہدنامہ ہے انسان کے لئے سب سے بڑی آزمائش اس کے جذبات و خواہشات کی آزمائش ہے وہ سمندر کی موجوں سے نہیں گھبراتا پہاڑوں کی چٹانوں سے ہراساں نہیں ہوتا درندوں کے مقابلہ سے منہ نہیں موڑتا، لیکن نفس کی ایک معمولی سی خواہش اور جذبات کی ایک ادنیٰ سی کشش کا بھی مقابلہ نہیں کرسکتا آپ تعجب کریں گے کہ دنیا ہزار ترقی کے باوجود خواہشات و جذبات کو قابو میں رکھنے کی کوئی تدبیر نہیں کرسکی، نہ سوچ سکی، ہزار ایجادات کے باوجود عقل کی خواہشات پر فتح مند بنانے کے لئے کوئی مشین ایجاد نہ کرسکی۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ کائنات کی عکاسی کے لئے اس نے جو آئینہ تیار کیا ہے اس میں اس کائنات کا عکس تو بڑی حد تک اس میں نظر آگیا۔ لیکن انسان (ن) ہی کا صحیح عکس اس میں نظر نہ آسکا، انسان کو دیکھنے اور سمجھنے کے لئے تو ابراہیمی نظر کی ضرورت ہے جو سائنٹفک دنیا کے پاس نہیں ہے، ؎

"ابراہیمی نظر پیدا بڑی مشکل سے ہوتی ہے"
"ہوس چھپ چھپ کے سینہ میں بنالیتی ہے تصویریں"

عہدنامہ پر دستخط کی تجدید و یاد دہانی کا ذکر اس آیت میں ہے"

لن ینال اللہ لحومھا ولا دماؤھا ولکن ینالہ التقویٰ منکم الآیۃ۔

ترجمہ: اللہ تک نہ ان قربانیوں کا گوشت پہنچتا ہے نہ خون، اس کے حضور تو جو کچھ پہنچ سکتا ہے وہ تقویٰ (دل کی نیکی) ہے یہ دل کی نیکی یا تقویٰ کب حاصل ہوتا ہے اس کی طرف اشارہ اس آیت میں ہے"

لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا مما تحبون (آل عمران) ترجمہ۔ جب تک اپنی محبوب چیزوں کو خرچ نہ کروگے کامل نیکی کے مرتبہ کو نہ پہنچ سکوگے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ بڑھ کر صحابہ کرامؓ کو کون محبوب ہوسکتا ہے لیکن جب اصول و صداقت کے قربان ہونے کا اندیشہ نظر آیا۔ تو انہوں نے جذبات و خواہشات کو کس طرح قربان کیا۔ اس کی وضاحت کے لئے چند مثالیں ہیں"

(۱) جسد اطہر سے روح مبارک پرواز کرجانے کے بعد مسجد نبوی میں صحابہ کرام ایک تاریخی آزمائش سے دوچار ہوئے حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی محبت کے جوش میں کسی طرح رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کو ماننے کے لئے تیار نہ تھے اور قسم کھا کھا کر یہ کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال نہیں ہوا۔ اسی حالت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک طرف عشق و محبت کے تقاضے میں کمی نہ آنے دی کہ حجرہ مبارک میں داخل ہوکر رخ زیبا سے چادر اٹھائی سر نیاز جھکایا اور بوسہ دیا اور رو رو کر فرمایا۔

بابی انت وامی طبت حیاً ومیتاً

میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ زندگی اور موت دونوں میں پاکیزہ رہے۔ دوسری طرف مسجد میں آئے عمرؓ کو سمجھایا، صحابہ کرام کو روکا اور اصول و صداقت کی راہ کو اس طرح واضح کیا کہ لوگوں کی آنکھیں کھل گئیں۔ اور اسلام زندگی و توانائی سے بھرپور نظر آنے لگا۔ چنانچہ حمد و ثناء کے بعد ارشاد فرمایا۔ جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پرستش کرتا تھا وہ غور سے سن لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ

کی بندگی کرتا تھا بے شک اللہ تعالیٰ زندہ ہے اس کے لئے موت نہیں ہے۔ اور خلافت کی سب سے پہلی تقریر میں اصول وصداقت کے مقابلہ میں جذبات وخواہشات کو قربان کرنے کا اندازہ اس طرح سمجھایا۔ لوگو میں تمہارا امیر بنادیا گیا ہوں۔ حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں صحیح کام کروں تو میری مدد کرنا۔ اور اگر غلط کام کروں تو مجھے سیدھا کردیں۔ سچائی امانت ہے۔ اور جھوٹ خیانت ہے، تم میں کمزور میرے نزدیک قوی ہے جب تک اس کی شکایت دور نہ کردوں۔ اور قوی میرے نزدیک کمزور ہے جب تک اس سے حق نہ لے لوں،

۲۔ حضرت عمرؓ نے اس درخت کے کاٹنے کا حکم فرمایا جس کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ میں بیعت لی تھی۔ کیونکہ لوگ جاکر اس کے نیچے نماز پڑھتے تھے۔ جس سے فتنہ کا اندیشہ تھا، اپنے محبوب کی طرف منسوب چیزوں سے محبت طبعی امر ہے، جس کی رعایت ضروری ہے اور کبھی اس قدر عقلی بن جاتی ہے کہ ہوشمند اسکے ذریعہ سے قوت حاصل کرتا ہے لیکن عام حالت میں یہ محبت اگر اس حد تک تجاوز کر جائے کہ اصول وصداقت اور شرعی احکام کے مراتب قائم نہ رہ سکیں، یا سیاسی بازیگر اس کھیل کو شروع کردیں تو یہ مستقل فتنہ بن کر ہلاکت وبربادی کا پیغام ثابت ہوتی ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ کا قول ہے۔ تم سے پہلے لوگ اس وجہ سے ہلاک ہوگئے کہ وہ انبیاء کرام کی نشانیوں کے پیچھے پڑے پھر انہوں نے ان کو عبادت خانے بنالئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فتنۂ ارتداد (دین سے پھر جانے کا) زمانہ ختم ہوچکا تھا۔ جس میں سندان عشق کی نمود ضروری تھی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ یہ کہنے میں حق بجانب تھے کہ اگر رسی کی بھی زکوٰۃ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے تھے اور مجھے نہ دینگے تو میں جہاد کروں گا اب جام شریعت کی حفاظت کا زمانہ تھا جس میں جام وسندان باختن کا مظاہرہ تھا۔ اور عمرؓ درخت کو کاٹ دینے میں حق بجانب تھے، کہاں معمولی سی رسی کی زکوٰۃ نہ دینے پر جہاد کا اعلان۔ اور کہاں ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف درخت کے نیچے نماز پڑھنے پر ہلاکت وبربادی کا پیغام

بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام وسندان باختن

ایک ہاتھ میں شریعت کا جام ہے اور دوسرے ہاتھ میں عشق کا سندان ہے ان دونوں کو اپنی اپنی جگہ رکھنے میں وہی شخص کامیاب ہو سکتا ہے جس نے اصول وصداقت کی خاطر جذبات وخواہشات کو قربان کرنا سیکھا ہو

۳۔ حضرت عمرؓ کو کوفہ کی حکومت کیلئے ایک ایسے شخص کی تلاش تھی جو قوی امانت دار اور مسلمان ہو۔ ایک شخص نے عرض کیا، خدا کی قسم میں آپ کو ایسا آدمی بتاتا ہوں جو قوی امانت دار اور مسلمان سب کچھ ہے اور بڑی خوبیوں کا مالک ہے، پوچھا وہ کون ہے، جواب دیا عبداللہؓ آپکے صاحبزادے ہیں۔ یہ سن کر فرمایا۔ قاتلک اللہ۔ اللہ تمہیں محروم کرے یہ تم نے کیسی بات کہہ دی

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دوعالم سے خفا میرے لئے ہے

۴۔ یرموک کی لڑائی میں حضرت خالد بن ولیدؓ کو معزول کرکے ابوعبیدہ بن جراحؓ کو سپہ سالار مقرر کیا اور حضرت خالد بن ولید کو انکے ماتحت کردیا۔ یہ فرمان عین اسوقت پہنچا جب کہ لڑائی آخری مرحلہ میں پہنچ کر فتح ہونے والی تھی ابوعبیدہؓ فرمان خلافت کے مطابق فوراً سپہ سالاری کا جھنڈا اپنے ہاتھ میں لیکر فتح کا کریڈٹ خود حاصل کرسکتے تھے۔ لیکن انہوں نے اس فرمان کو چھپایا اور خالد بن ولید کی ماتحتی میں اپنے کو باقی رکھا۔ یہاں تک کہ فتح کے آثار نمایاں ہوگئے جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا اور موقع پاکر فتح کا کریڈٹ خود کیوں نہ حاصل کرلیا۔ تو جذبات وخواہشات کی قربانی دینے والے نے کہا، میں دنیا کی بڑائی نہیں چاہتا اور نہ دنیا کے لئے عمل کرتا ہوں ادھر یرموک کی فتح کے بعد جب یہ خبر پھیلی کہ اس عظیم جنگ کے فاتح کو سپہ سالاری سے معزول کردیا گیا ہے تو لوگوں کے اندر سخت بے چینی پیدا ہوئی۔ بعض نے حضرت خالدؓ بن ولید کو ابھارا کہ آپ خلیفہ کا حکم نہ مانیں آپ کے ساتھ کافی لوگ ہیں۔ مگر خالدؓ نے اس قسم کی ہربات ماننے سے انکار کردیا۔ اور برضا ورغبت ابوعبیدہؓ بن جراح کی ماتحتی میں ایک معمولی فوجی بن کر اسلام دشمن طاقتوں کے خلاف لڑتے رہے، اس وقت انہوں نے جو جملہ کہا تھا وہ تاریخ نے ان الفاظ میں محفوظ کرلیا، میں عمر کی راہ میں جنگ نہیں کرتا بلکہ عمر کے رب کی راہ میں جنگ کرتا ہوں

اوپر کی چند مثالیں بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں ہماری ملی تاریخ ایسی مثالوں سے بھری ہوئی ہیں یہ سب کچھ جو آپ نے دیکھا

وہ اصول و صداقت کے مقابلہ میں جذبات و خواہشات کی قربانی کا نتیجہ تھا جس کا عہد ہر مسلمان سے لیا جاتا ہے اور جس پر دستخط کی تجدید یا دہانی ہر سال آج کی ہماری عید میں ہوتی رہتی ہے۔

قربانی کے وقت جو چھری جانور کی گردن پر چلائی جاتی ہے وہ دراصل نفس کی گردن پر چلائی جاتی ہے جس سے جذبات و خواہشات کی قربانی مقصود ہوتی ہے اسی بنا پر قرآن میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نہ تو اس کا گوشت اور نہ لہو پہنچتا ہے بلکہ اس کے پاس دل کی بات (پرہیزگاری تقویٰ) پہنچتا ہے،

نفس کی گردن پر چھری چلانے کے بعد پھر دوست کے کوچہ میں پہنچنے کے لئے زیادہ فاصلے نہیں کرنا پڑتا

"یک قدم راہ راست و دیگر راہ نیست
"یک قدم بر نفس نہ دیگر قدم بر کوئے دوست

علم و فن کی ترقی کے اس دور میں قربانی کی حقیقت لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی اور اس پر طرح طرح کے اعتراض کرتے ہیں۔ ان کی خدمت میں بس اتنی گذارش ہے کہ

اے کمال سخن کے دیوانو!
"ماورائے سخن بھی ہے اک بات"

ممبران و ہمدردان انجمن خدام الدین متوجہ ہوں

بیرون لاہور سے جو مخیر حضرات زکوٰۃ فنڈ یا عطیات بذریعہ بنک ڈرافٹ یا چیک بھیجتے ہیں وہ آئندہ مہتمم مدرسہ قاسم العلوم کے نام بھیجا کریں، کیونکہ انجمن خدام الدین کا بنک میں اکاؤنٹ نہ ہونے کی وجہ سے چیک یا ڈرافٹ ہفت روزہ خدام الدین کے حساب میں جمع کرا کے پھر انجمن کے نام منتقل کرنا پڑتا ہے۔"

(مہتمم مدرسہ قاسم العلوم انجمن خدام الدین، لاہور)

زیر سرپرستی

حضرت جانشین شیخ التفسیر مولانا عبید اللہ انور مدظلہم

جامعہ عثمانیہ (رجسٹرڈ) شورکوٹ شہر

جامعہ عثمانیہ

نے گیارہ سال کے قلیل عرصے میں نمایاں تعلیمی اور تعمیری ترقی کی ہے

جامعہ عثمانیہ

میں چھ محنتی و قابل اساتذہ کی نگرانی میں ساٹھ بیرونی اور تقریباً پچاس مقامی طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں

جامعہ عثمانیہ

دینی مدارس کی سب سے بڑی تنظیم وفاق المدارس العربیہ سے منسلک ہے

جامعہ عثمانیہ

سے ملحقہ عظیم الشان جامع مسجد زیر تکمیل ہے

جامعہ عثمانیہ

میں قرآن مجید، حفظ و ناظرہ، درس نظامی، اور پرائمری تک عام تعلیم کے شعبہ جات موجود ہیں۔

جامعہ عثمانیہ

میں قائد اسلامی انقلاب حضرت مفتی محمود مدظلہ متعدد مرتبہ قدم رنجہ فرما چکے ہیں، حافظ القرآن والحدیث حضرت مولانا عبداللہ درخواستی، پیر طریقت حضرت مولانا خان محمد اور دیگر کئی بزرگان گرامی تشریف لا کر اپنی اپنی آراء سے نواز چکے ہیں

جامعہ عثمانیہ

بیرونی طلبہ کا ہر طرح سے کفیل ہے۔ اخراجات کے سلسلے میں عطیات، صدقات اور قربانی کی کھالوں کے متلاشی ہیں

اہل خیر جامع مسجد، اور مدرسہ کے لیے حسب استطاعت معاونت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں

(مولانا) بشیر احمد مہتمم جامعہ عثمانیہ رجسٹرڈ شورکوٹ شہر ضلع جھنگ پاکستان